© rasailojaraid.com

’’تواریخِ عجیب‘‘ المعروف بہ ’’کالا پانی‘‘ مرتبہ ڈاکٹر محمد ایوب قادری: تنقیدی مطالعہ

شیراز زیدی*

ABSTRACT:

"Twareekh e Ajeeb" famed as "Kala pani" is an autobiography by molvi Jafar Thaneesri who was a courageous and dedicated worker of Syed Ahmad's movement known as "Wahabi Tehrik". This movement was against British rule in India. So the workers of this freedom movement were declared rebellion by the British Government. Molvi Jafar Thaneesri was also arrested and the British Court decided hang him to kill but later on after an appeal the decision was changed as life imprisonment by the British Judiciary. Molvi Jafar was deported to islands of Andaman also called port Blair or" kala Pani" which was used as a jail for the dangerous prisoners. Jafar Thaneesri had been there for about twenty years. In this autobiography molvi jafar describes the life, customs and different languages of islanders, weather of the islands, the rule and regulations for the prisoners and many other events occurred during his stay. This autobiography is not only portrays reality of the British rule in India, but also a lesson for our generation. Jafar described his informative story in an interesting way. He used Urdu in her natural style. It was first published in 1890. Dr.Muhammad Ayyob Qadri(late) compiled this book with foot notes and endnotes about the events and important personalities discussed in the book .This compiled book was published in 1962 and then disappeared from the market. Now this important edition is reprinted after a long time. This article is an analytical, critical, phraseological, stylistic and lingual study of this compiled edition with a special focus on compiler's efforts.

Keywords: Kalapani, Jafar Thaneesri, British rule.

’’کالا پانی‘‘ مولوی محمد جعفر تھانیسری کی جزائر انڈمان کی یاداشتوں پر مشتمل مختصر خودنوشت ہے۔ اسے خودنوشت سوانح کا نقشِ اولین بھی قرار دیتے ہیں۔ مولوی محمد جعفر قصبہ تھانیسر ضلع انبالہ کے ارائیں خاندان میں میں پیدا ہوئے۔[۱] وہ سید احمد شہید کی تحریک کے خاص رکن تھے۔ معرکہ امبیلا[۲] کے بعد ۱۸۶۴ع میں ان پر بغاوت اور سازش کے الزام میں مقدمہ چلا، پہلے پھانسی کی سزا ہوئی جو اپیل کرنے پر جائیداد کی ضبطی اور حبس بہ عبور دریاے شور (جزائر انڈمان) میں

* ڈاکٹر، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، وفاقی اردو یونیورسٹی کراچی برقی پتا: dr.shirazzaidi@gmail.com
تاریخِ موصولہ: ۱۷/۸/۲۰۱۵ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تبدیل ہوگئی۔ جزائر انڈمان (Andaman Island) ''کالے پانی'' کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں۔ جزائر انڈمان نکو بار بحرِ ہند میں واقع چھوٹے بڑے تقریباً ایک ہزار جزیروں کا مجموعہ (Cluster) ہے یہ جزیرے کلکتہ کے جنوب میں ۷۸۰ میل، رنگون کے جنوب مغرب میں ۳۶۰ میل، مدارس کے جنوب مشرق میں ۷۴۰ میل اور سیلون کے مشرق میں بھی ۷۴۰ میل کی دوری پر واقع ہیں۔ انھیں پانچ بڑے جزیروں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔(۱) یہ جزائر خلیج بنگال میں واقع ہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنا جھنڈا لہرانے اور قیدیوں کو بسانے کے لیے اس جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ ۱۷۸۹ء میں چند قیدیوں کا قافلہ فرنگی لیفٹیننٹ آرچی بولڈ بلیئر کی قیادت میں یہاں پہنچا تھا لیکن مقامی قبائیلوں کی شدید مزاحمت، ناموافق آب و ہوا، پانی کی قلت اور دیگر ناسازگار حالات کی وجہ سے اسے ناکام واپس آنا پڑا تھا بعد میں ان جزائر کے دارالحکومت کا نام لیفٹیننٹ بلیئر کے نام سے پورٹ بلیئر مشہور ہوگیا۔(۲) جعفر تھانیسری ''تاریخِ عجیب'' میں لکھتے ہیں:

> ''ستمبر ۱۷۸۹ء جس کو اب نوّے برس ہوئے سرکار انگریزی نے یہاں قیدیانِ سزاوار بہ حبس بہ عبور دریائے شور کا رکھنا تجویز کیا۔ لیفٹیننٹ بلیئر و کپتان مورسن دو جہازی سرداروں نے سب سے اول بہ مقام چاٹم آکر لنگر ڈالا اور اس چھوٹے سے ٹاپو کو کسی قدر صاف کر کے کچھ مکانات بنوائے اور وہاں رہنے لگے اور چاٹم اس کا نام رکھا جو ابھی تک مشہور ہے مگر افسوس کہ بیماری اور آب و ہوا کی خرابی نے اس زمانے میں اس سیٹلمنٹ کے پاؤں جمنے نہ دیے اور آدھے سے زیادہ آدمی ان میں سے مر گئے۔ ناچار بہ سبب ناموافقی آب و ہوا و نیز کثرت بیماری کے وہ سیٹلمنٹ آبادی کی تاریخ سے ساتویں برس یعنی ۱۷۹۶ء میں اجڑ گیا اور پھر ساٹھ ستر برس تک کسی نے اس کا نام نہ لیا مگر اب بھی بمقام چاٹم اسی وقت کے عالم گیری سکہ کے پیسے روپے اور اینٹ و کھپریل وغیرہ ملتے ہیں اسی لیفٹیننٹ بلیئر کے نام سے یہ بندر پورٹ بلیئر اب تک مشہور ہے۔'' (۳)
>
> ص: ۱۳۔۱۴

قدیم تاریخ میں پہلی بار ویدک دور میں ''ہنڈومان'' کے نام سے ان جزیروں کا حوالہ ملتا جو بعد میں وقت کے ساتھ تبدیل ہوکر ''انڈمان'' ہوگیا اور اسی نام سے جانا جاتا ہے۔(۴) ان جزیروں کا نام ''کالا پانی'' پڑنے کی بھی مختلف وجوہات بیان کی جاتی ہیں۔ ایک نظریے کے مطابق اس کا ساحل کالے پتھروں اور کالی چٹانوں سے بنا ہے، ریت اور ساحلی مٹی بھی کالے رنگ کی ہے، عین ممکن ہے کہ پانی کے نیچے بھی چٹانوں کا رنگ سیاہ ہو، بہر حال ساحل پر واقع سیاہ چٹانوں کا عکس پڑنے کی وجہ سے پانی بھی کالا نظر آتا ہے۔ بارشوں میں ان چٹانوں سے بہ کر آنے والی مٹی اور ریت بھی سیاہی مائل ہوتی ہے، اس لیے پانی بھی سیاہی مائل لگتا ہے جس کی وجہ سے یہ جزیرے ''کالا پانی'' کے نام سے مشہور ہوئے۔(۵) ایک اور نظریے کے مطابق ''کالا پانی'' کا پانی کے رنگ سے کوئی تعلق نہیں، سنسکرت میں ''کال'' موت کو کہا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جا تا ہے اور یہ لفظ کالا پانی نہیں بل کہ ''کال پانی'' ہے جس کا مطلب ہے Water of death۔(۶)

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے قیدیوں کو سزا دینے کے لیے ایک بار پھر حکومتِ انگستان کی نظر ان ہی جزائر پر پڑی۔کالے پانی کی سزا ان قیدیوں کو سنائی جاتی جو حکومت کی نظر میں انتہائی خطرناک ہوتے۔جعفر تھانسیری نے تقریباً بیس سال ''جزائر انڈمان'' میں گزارے اور قیدیوں سے روا رکھے جانے والے سلوک کے ساتھ ساتھ جزائر انڈمان کے باشندوں، ان کے رسوم ورواج اور وہاں کی آب وہوا کے متعلق بھی معلومات فراہم کی ہیں۔یہ جعفر تھانیسری کی خودنوشت ہی نہیں بل کہ سام راج کی مجرمانہ تاریخ کی بدترین داستان ہے، جو ہماری آج آزاد وطن میں جنم لینے والی مغربی تہذیب و معاشرت اور طرزِ سیاست کو بہ نظرِ ستائش دیکھنے والی نسلوں کے لیے ایک درسِ عبرت بھی ہے۔

ڈاکٹر محمد ایوب قادری صاحب (مرحوم) نے اس کتاب کو بڑی عرق ریزی اور تحقیقی لگن کے ساتھ کئی نسخوں کی مدد سے مرتب کیا۔انھوں نے صرف ایک مبسوط تحقیقی مقدمہ ہی نہیں بل کہ ضروری مقامات پر حواشی و تعلیقات بھی تحریر کیے ہیں۔مقدمے میں سید احمد کی تحریک کا پس منظر اور مولوی محمد جعفر کے سوانح حیات قلم بند کیے ہیں۔کتاب میں موجود انتیس شخصیات کے بارے میں تعارفی معلومات بھی ''تذکرۂ رجال'' کے نام سے فراہم کی ہیں، دو ضمیمہ جات بھی کتاب میں شامل کیے ہیں۔یوں اس کتاب کی افادیت ہی میں اضافہ نہیں ہوا بل کہ اسے تحقیقی مقالے کا اعتبار بھی حاصل ہو گیا ہے۔یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۶۲ء میں شائع ہوئی تھی۔ادارہ یادگارِ غالبؔ، کراچی نے ۲۰۱۵ء میں برسوں سے نایاب اس کتاب کی دیدہ زیب سرِ ورق کے ساتھ مضبوط جلد میں باز اشاعت کی ہے۔مقدمے سے معلوم ہوتا ہے کہ قادری صاحب نے جن شخصیات کے حالات تذکرۂ رجال میں تحریر کیے ہیں، متن میں ان کے اسمأ کو خط کشیدہ کر دیا تھا اور کتاب کے آخر میں اشاریہ بھی شامل کیا تھا۔یادگارِ غالبؔ کی طباعت میں یہ اہتمام نظر نہیں آتا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کے اصل متن کے مطالعے سے قبل ایوب قادری صاحب کے تحقیقی اسلوب پر بھی ایک نظر ڈال لی جائے۔جیسا کہ ذکر ہوا، قادری صاحب نے اپنی مرتبہ کتاب میں ایک مبسوط تحقیقی مقدمہ درج کیا ہے۔کتاب کے مطالعے سے قبل اگر مصنف کے سوانح، اس کی دیگر تصنیفات، تصنیف کے مقصد اور اس کے محرکات کے بارے میں تحقیقی معلومات میسر آ جائیں تو قاری کے لیے نہ صرف یہ کہ سہولت پیدا ہو جاتی ہے بل کہ وہ ایک مکمل پس منظر اور شعور کے ساتھ کتاب کا مطالعہ کرتا ہے اور اس طرح سطر بہ سطر لاشعوری طور پر اس کی حسِ تجسس کی تسکین بھی ہوتی رہتی ہے۔قادری صاحب نے مقدمہ میں خاص اہتمام یہ کیا ہے ہر وہ معمولی سے معمولی مقام بھی جہاں قاری کی حسِ تجسس پھڑ کنے کا امکان ہو سکتا ہے، اس کے متعلق ضروری معلومات مقدمے کے حواشی میں درج کر دی ہیں۔مثال کے طور پر پہلا ہی پیراگرف دیکھیے جس میں سید احمد شہید کی تحریک کے متعلق تمہید باندھی گئی ہے:

''سید احمد شہید کی تحریک، تجدید واحیاے دین اور جہاد کی تحریک تھی۔توحید خالص کی تبلیغ، شادی وغمی نیز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیگر تقریبات کے غیر اسلامی مراسم کے بجاے اسلامی سادہ زندگی کا احیاءٗ اور نکاحِ بیوگان کی ترویج و اشاعت اس تحریک کے خاص عنصر تھے۔اس مقصد کے لیے شاہ اسماعیل شہید نے ''تقویۃ الایمان'' جیسی انقلاب آفریں کتاب لکھی۔پھر تو اس سلسلے کو اس قدر وسعت ہوئی کہ اس خانوادے کے دوسرے تربیت یافتہ علماءٗ نے احیاے سنت اور اصلاحِ معاشرے کے لیے متعدد کتابیں اور رسالے لکھے اور اچھا خاصا ادب مہیا کیا۔''(۷)

اس مختصر سے پیرا گراف میں بھی ''تقویۃ الایمان جیسی انقلاب آفریں کتاب لکھی'' اور ''اچھا خاصا ادب مہیا کر دیا'' ان دو مقامات پر حوالے کے نمبر دے کر حواشی میں ''تقویۃ الایمان'' اور سید احمد تحریک کے تحت لکھی گئی کتب اور رسالوں کے بارے میں قاری کی معلومات کے لیے درج ذیل تفصیلات مہیا کرنی ضروری سمجھی ہیں:

''مولانا فضلِ حق خیر آبادی (ف ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ع) نے سب سے پہلے تقویۃ الایمان کی ایک عبارت 'اس شہنشاہ کی تو یہ شان ۔۔۔کی برابر کے پیدا کر ڈالے' پر امتناع نظیر اور امکان نظیر کی بحث چھیڑی اور ایک مختصر سا رسالہ اس عبارت کے رد میں لکھا، پھر تو اس سلسلے میں بہت سے رسالے قلم بند ہوئے اور تقویۃ الایمان کے مستقل رد لکھے گئے۔غرض اس تحریک کی مخالفت کے آغاز کا سہرا مولانا فضلِ حق خیر آبادی کے سر ہے (تقریر مولانا فضل حق خیر آبادی بر عبارت تقویۃ الایمان ۱۲، قلمی)''(۸)

''مسائلِ اربعین و ماتہ مسائل (شاہ محمد اسحاق ف ۱۲۶۲ھ/ ۴۶۔۱۸۴۵ع) نصیحۃ المسلمین و رسالہ جہادیہ (مولوی خرم علی بلہوری (ف ۱۲۷۳ھ/ ۱۸۵۶ع) ہدیۃ المومنین، رسالہ راہ سنت و رسالہ ردِ عقائدِ مشرکین (مولوی اولاد حسن قنوجی (ف ۱۸۳۷ـ۸ع/ ۱۲۵۳ھ) رسالہ تقوا، رسالہ کلماتِ کفر و عقائد نامہ (مولوی سخاوت علی (ف ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۸ع) رسالہ دعوت و رسالہ ردِ شرک (مولوی ولایت علی ف ۱۲۶۹ھ/ ۱۸۵۲ع) رسالہ بت شکن (مولوی عنایت علی ف ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۸) رسالہ تجہیز و تکفین مسلمان کی (مولوی محمد عمران، ف ۱۲۷۱ھ/ ۱۸۵۵ع) رفاہ المسلمین (شرحِ مسائل اربعین) و سعادتِ دارین (مولوی سعید الدین بدایونی، ف ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ع) تحفۃ المسلمین ترجمہ مسائلِ اربعین) و رسالہ عقیقہ (ملا نظام، ف ۱۸۹۰ع) تذکیر الاخوان (مولوی سلطان خان شاہ جہاں پوری) تنبیہ الغافلین (ترجمہ و شرح) و ترجمہ مسائلِ اربعین و تفسیرِ مقبول (مولوی بہادر علی حسینی) وغیرہ کتب و رسائل خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔''(۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قادری صاحب نے شاہ اسماعیل شہید کی تحریک جسے ''وہابی تحریک'' کے نام سے بھی موسوم کیا گیا، کا پس منظر خالصتاً تحقیقی نقطۂ نظر سے معروضی انداز میں پیش کیا ہے۔شاہ اسماعیل شہید جس تحریک کے علم بردار تھے وہ خالص توحید، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خالص تعلیمات کے احیا اور امامتِ کبریٰ کی داعی تھی مگر یہ تحریک کس طرح اپنے اصل ہدف سے ہٹ کر چند فقہی مسائل میں الجھ کر رہ گئی، اس کا تاریخی جائزہ لیتے ہوئے قادری صاحب تحریر کرتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ انگریز نے تحریک جہاد کو بری طرح کچلا، مجاہدین اور مصلحین کو 'وہابی' کے نام سے موسوم کر کے بدنام کیا گیا۔۔حکومت انگریزی نے باغی اور وہابی مترادف الفاظ قرار دیے۔عامۃ المسلمین میں ان کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا کیا اور ایک معاشرتی انقطاع شروع کیا گیا۔حکومت کے اشارے پر لدھیانے سے ایک فتوا شواہد الحق کے نام سے شائع ہوا جس کی رو سے مساجد میں وہابیوں کو نماز پڑھنے سے روکا گیا، ان کو زدوکوب کیا گیا، ان کی تذلیل وتشہیر کی گئی اگر ایک طرف ولیم ولسن ہنٹر نے 'اوورانڈین مسلمانس' لکھ کر ان کے خلاف حکومت کو مواد مہیا کیا تو دوسری طرف مولانا فضلِ رسول بدایونی (۱۲۸۹ھ/ف، ۱۸۷۲ع) اور ان کے تلامذہ نے غریب وہابیوں کے خلاف تصنیفات وتالیفات کا انبار لگا دیا۔غیروں اور اپنوں کے اس رویے سے 'بدنام وہابی' گھبرا اٹھے اور انھوں نے ہتھیار ڈال دیے۔جہاد کی تحریک اندرون ہندو پاکستان قطعی طور سے ختم ہوگئی۔اپنے لیے ''وہابی کی بجائے 'اہلِ حدیث' کا نام مروج ومشتہر کیا۔انھوں نے باقاعدہ وفاداریِ حکومت برطانیہ کا اعلان کیا۔مولوی محمد حسین بٹالوی (ف ۱۳۳۸ھ) نے سرکاری تحریرات میں 'وہابی' کی بجائے 'اہلِ حدیث لکھے جانے کے باقاعدہ احکام جاری کرائے۔غرض انگریز نے اپنے بے پناہ مظالم اور شاطرانہ سیاست سے اس اسلامی تحریک کا خاتمہ کر دیا۔تحریک کا رخ بدل گیا اور اب وہ چند فروعی مسائل میں الجھ کر رہ گئی ہے۔بعض علماء نے ان ہی فروعی اور اختلافی مسائل کو اصل مقصدِ تحریک سمجھ رکھا ہے۔'' (۱۰)

مولوی جعفر کے حالات زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے قادری صاحب نے انھیں ایک مرفہ الحال شخص بتایا ہے جن کے والد میاں جیون کا ذریعۂ معاش کاشت کاری تھا۔مولوی جعفر کے اس کتاب میں خود اپنے بیان کیے ہوئے حالات بھی انھیں ایک مرفہ الحال شخص ظاہر کرتے ہیں۔چناں چہ قاری کے لیے اتنا بہت تھا مگر قادری صاحب نے اس مقام پر حواشی میں ہنٹر کی کتاب ''آورانڈین مسلمانس'' کے اس بیان کو بھی نظرانداز کرنا مناسب نہ سمجھا کہ مولوی جعفر ایک نہایت غریب گھر میں پیدا ہوئے تا کہ قاری تک مکمل معلومات پہنچیں۔انھوں نے ہنٹر کے اس بیان کا ناقدانہ جائزہ لیتے ہوئے تحریر کیا ہے:

''ہنٹر نے لکھا ہے کہ ''(مولوی محمد جعفر) ایک بہت ہی غریب گھرانے میں پیدا ہوا (آورانڈین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانس، ص:۹۷) یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی، کیوں کہ بقول ہنٹر ۱۸۵۶ع میں مولوی محمد جعفر نے عرائض نویسی کا پیشہ اختیار کیا اور اسی سال ان کی شادی ہوئی تو انھوں نے اتنی جلدی کہاں سے زمیں داری و جائیداد حاصل کر لی جس کو بیوی کے مہر میں لکھ دیا۔ یہ یقیناً ان کے والد کی چھوڑی ہوئی جائیداد تھی جس میں سے انھوں نے اپنے حصے کی جائیداد اپنی بیوی کے مہر میں لکھ دی۔'' (۱۱)

اگرچہ قادری صاحب کے اس بیان سے اختلاف کیا جا سکتا ہے کیوں کہ مولوی محمد جعفر کے بچپن ہی میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا تھا اور یہ شاید غربت ہی کی وجہ سے تھا کہ وہ ۱۲ سال تک تعلیم حاصل نہیں کر سکے۔ وسیم احمد نے بھی اپنی تحقیقی کتاب ''کالا پانی (گم نام مجاہدین کی جنگِ آزادی ۱۸۵۷ع)'' میں مولوی جعفر کے حالات میں تحریر کیا ہے کہ ''ان کے بچپن ہی میں ان کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ غریب گھرانا تھا لہٰذا یہ اپنے بچپن کے ابتدائی بارہ برس ناخواندہ ہی رہے۔ اس کے بعد لکھنا پڑھنا شروع کیا اور شوقِ تعلیم پیدا ہوا جس کے نتیجے میں تقریباً ۱۸۵۶ع میں عرضی نویس کے درجے تک پہنچ گئے۔'' (۱۲) تاہم قادری صاحب کی دلیل بھی بے وزن نہیں ہے۔ ایسے نوٹ کئی مقامات پر موجود ہیں جن سے قادری صاحب کی تنقیدی بصیرت کا بھی بہ خوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مقدمے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولوی جعفر نے کالا پانی کے علاوہ ''نصائح جعفری'' میں اپنے حالات ۱۸/ ذوالحجہ ۱۲۷۸ھ بہ مطابق ۱۶/ جون ۱۸۶۲ع میں لکھنے شروع کیے تھے جس کا مسودہ حکومت کے ہاتھ لگ گیا تھا، جس کا خلاصہ مقدمہ انبالہ میں پیش ہوا اور ولیم ہنٹر نے اسی خلاصے کو اپنی کتاب 'آور انڈین مسلمانس' میں شامل کر لیا تھا۔ اس کے علاوہ جعفر تھانیسری جزائر انڈمان و پورٹ بلیئر کے ڈپٹی کمشنر میجر پراتھورو کی پورٹ بلیئر کے آئین سے متعلق مرتبہ کتاب میں اس کے مددومعاون بھی رہے تھے اور اس کا اردو ترجمہ بھی کیا تھا جو ''ترجمہ آئین پورٹ بلیئر'' کے نام سے چھپ چکا ہے۔ تھانیسری نے ''تواریخ عجیب'' المعروف بہ ''کالا پانی'' سے قبل ایک کتاب ''تاریخِ پورٹ بلیئر'' بھی تحریر کی تھی جس کا تاریخی نام ''تاریخِ عجیب'' تھا۔ یہ کتاب اپریل/۱۸۷۹ع میں مکمل ہوئی تھی، جسے دو حصوں میں منقسم کیا گیا تھا۔ پہلا حصہ جزائر انڈمان و پورٹ بلیئر کے حالات و واقعات سے متعلق ہے اور دوسرے میں ان جزیروں میں رائج بتیس مشہور زبانوں کے روزمرہ کی ضروریات کے چھوٹے چھوٹے جملے اور اسماً ''خالق باری'' کے طرز پر درج تھے تا کہ مقامی لوگوں کو اردو سکھائی جا سکے۔ ۳؎ یہ کتاب ۱۸۸۰ع میں نول کشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی، جس کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۹۲ع میں مصنف کی نظر ثانی کے بعد دوبارہ شائع ہوا تھا مگر اب یہ کتاب نایاب ہے۔ ۴؎ ''کالا پانی'' دراصل اسی کتاب کا تتمہ یا دوسرا حصہ ہے۔ ۱۸۸۴ع میں جب مولوی محمد جعفر جزائر انڈمان سے واپس آئے اور دوست احباب نے دورِ اسیری کے حالات پوچھنے شروع کیے تو مولوی صاحب نے فرداً فرداً ہر ایک کو واقعات سنانے کی بجائے اپنی گرفتاری، مقدمے، قید، انڈمان کی زندگی اور رہائی کے حالات دلچسپ انداز میں تحریر کر دیے۔ اس کے علاوہ جعفر تھانیسری نے سید احمد شہید اور ان کے حلفاً کے حالات و واقعات پر مبنی ایک کتاب ''سوانح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احمدی'' کے نام سے لکھی۔اس موضوع پر لکھی گئی یہ پہلی کتاب ہے جس کی اشاعت اول ۱۸۹۵ع میں مطبع مجتبائی دہلی سے ہوئی۔انھوں نے ایک رسالہ قادیانیت کے رد میں بھی لکھا۔اس سے پتا چلتا ہے کہ مولوی جعفر تھانیسری تصنیف وتالیف سے خاصا شغف رکھتے تھے۔ڈاکٹر محمد ایوب قادری صاحب نے اپنے اس مقدمے میں سینتالیس مقامات پر حواشی درج کیے ہیں اور متن کتاب پر اڑتیس معلومات افزا حواشی تحریر کیے ہیں۔یہاں اختصار کی غرض سے صرف ایک حاشیے کا اقتباس درج کیا جاتا ہے۔جعفر تھانیسری نے صفحہ ۹۶ پر انڈمان میں ''اسکروبی'' نامی بیماری کا ذکر کیا ہے۔اس پر قادری صاحب نے حاشیہ لگاتے ہوئے لکھا ہے:

> ''اسکروبی کو انگریزی میں اسکروبوٹس (SCRORBUTUS) بھی کہتے ہیں اور عربی میں اسقربوط یا سقربوط کہتے ہیں۔اس بیماری میں ضعف، پست ہمتی، جسم کی پیلاہٹ، چہرہ اور ٹانگوں کی سوجن اور جریانِ خون کی صلاحیت عام باتیں ہیں۔بدن پر نیلے دھبے اور مسوڑوں کی تکلیف بھی ہوجاتی ہے۔جدید تحقیق کے مطابق یہ مرض حیاتین کی کمی سے پیدا ہوتا ہے۔(مخزنِ حکمت جلد دوُم از ڈاکٹر غلام جیلانی، ص:۱۱۷۸ع، لاہور،۱۹۲۶) مولانا فضلِ حق خیرآبادی ۱۸۵۸ع میں بہ جرمِ بغاوت سزایاب ہوکر جزیرہ انڈمان پہنچے۔مولانا فضلِ حق نے الثورۃ الہندیہ میں اپنی روداد الم قلم بند کی ہے جزیرہ کی آب وہوا اور امراضِ مہلکہ کے متعلق مولانا خیرآبادی کے رسالہ الثورۃ الہندیہ سے ایک ٹکڑا یہاں نقل کیا جاتا ہے۔۔۔۔مولوی محمد جعفر تھانیسری نے جزیرے کی آب وہوا اور امراض کا تفصیلی بیان تاریخ عجیب (پورٹ بلیئر) فصل دوم میں کیا ہے۔''(۱۳)

اس مختصر حاشیے کو بھی قادری صاحب نے تین کتب کی مدد سے تحریر کیا ہے۔اس سے ان کی وسعتِ مطالعہ اور تحقیقی لگن کا بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔اس کے علاوہ کتاب میں بعض ایسی اہم شخصیات کا ذکر بھی ہے جن کے حالات جانے بنا مطالعہ ادھورا رہتا۔قادری صاحب نے ''تذکرہ اسماءَ رجال'' کے نام سے ان شخصیات کے بارے میں اہم معلومات فراہم کی ہیں۔یہ انتیس شخصیات یہ ہیں ۱۔مولانا احمد اللہ، ۲۔اخوند سوات ملا عبدالغفور، ۳۔الٰہی بخش، ۴۔مولوی امیر الدین، ۵۔امیر خان، ۶۔مولوی تبارک علی، ۷۔حسینی تھانیسری، ۸۔حسینی عظیم آبادی، ۹۔حضرت خبیب رضی اللہ عنہ، ۱۰۔سید احمد شہید، ۱۱۔شیر علی، ۱۲۔مولوی عبد الرحیم، ۱۳۔مولوی عبد الرؤوف، ۱۴، میاں عبد الغفار، ۱۵۔عبد الغفور، ۱۶۔عبد الکریم، ۱۷۔غزن خان، ۱۸۔مولوی لیاقت علی الٰہ آبادی، ۱۹۔مولوی مبارک علی، ۲۰۔مولوی محمد ابراہیم منڈل، ۲۱۔محمد اسماعیل شہید دہلوی، ۲۲۔مولوی محمد حسن، ۲۳۔محمد شفیع، ۲۴۔محمد یقین، ۲۵۔مسعود گل، ۲۶۔مہدی سوڈانی، ۲۷۔قاضی میاں جان، ۲۸۔شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی، ۲۹۔مولوی یحیٰ علی۔　قادری صاحب نے دو ضمیمے ''الف'' اور ''ب'' کتاب کے آخر میں منسلک کیے ہیں۔ضمیمہ ''الف'' میں وہابیوں کو مسجدوں سے نکالے جانے کے واقعات کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فہرست ''مجموعہ مولود شریف اور وعظ شریف اور حالاتِ حضرت غوث الثقلین اور کراماتِ شریف'' نامی کتاب سے لے کر فراہم کی ہے۔ یہ کتاب بیسویں صدی کے آغاز میں مطبع مجتبائی لکھنو سے شائع ہوئی جس کے مولف کوئی مولوی عبداللہ ہیں۔انھوں نے اس فہرست کو ''مکائد غیر مقلدین مولفہ مولوی وزیر الدین مطبوعہ حامی الاسلام، دہلی سے نقل کیا ہے۔قادری صاحب نے کم و بیش مولوی عبداللہ ہی کے الفاظ میں اس فہرست کو نقل کیا ہے۔ضمیمہ ب میں صادق پور کے اکابرین کی ضبط شدہ جائیداد منقولہ وغیر کی تفصیل فراہم کی ہے جن کی جائیدادیں تحریک آزادی میں شامل ہونے کی بنا پر ضبط کی گئیں۔

قادری صاحب کے تحقیقی اسلوب کی بات کی جائے تو انھوں نے آسان اور واضح الفاظ میں تمام حقائق بیان کیے ہیں اور چھوٹی سے چھوٹی بات کی تہ تک پہنچنے کے لیے بھی کئی کئی کتب سے استفادہ کیا ہے۔اپنی ہر بات کے ثبوت میں حوالے درج کیے ہیں اور جس تفصیل کو جہاں سے لیا اسے مکمل دیانت داری سے بیان کر دیا ہے۔اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ مقدمے سے لے کر متن اور پھر تذکرۂ اسماء الرجال تک میں حواشی و حوالے موجود ہیں۔انھوں نے۔صرف کتب سے اخذ کردہ معلومات کا اندراج ہی نہیں کیا بل کہ تحقیقی اور تنقیدی بصیرت کے ساتھ ان کا جائزہ بھی لیا ہے اور جہاں اختلاف محسوس کیا اسے دلیل سے ثابت بھی کیا ہے۔انھوں نے اس کتاب کو مرتب کرنے سے پہلے مصنف اور اس سے متعلق تمام شخصیات کے سوانح اور تاریخ واقعات کا بہ نظرِ غائر مطالعہ کیا اور کتاب کو مرتب کرنے سے پہلے اس کتاب ہی نہیں بل کہ مصنف کی تمام دستیاب کتب کے نسخوں کو سامنے رکھا۔خصوصاً ''کالا پانی'' کے کئی نسخے اشاعت اول سے لے کر رسائل میں قسط وار اشاعتوں تک، ان کے زیرِ مطالعہ رہے۔اپنی اس تحقیقی کاوش کے متعلق یکم ستمبر ۱۹۶۲ء کو اس کتاب کے مقدمے میں قادری صاحب نے یوں تحریر فرمایا ہے:

> ''مقدمے میں اس تحریک کا مختصر پس منظر اور مولوی محمد جعفر کے سوانح حیات پیش کیے ہیں۔حسبِ ضرورت حواشی و تعلیقات بھی لکھے ہیں۔متن عبارت کو مختلف پیراگرافوں میں تقسیم کیا ہے اور ذیلی عنوانات قائم کیے ہیں۔کتاب میں جن اشخاص کے نام آئے ہیں ان کے حالات ''تذکرہ الرجال'' کے عنوان سے شامل کر دیے ہیں اور متنِ عبارت میں ایسے اسماء کو خط کشیدہ کر دیا ہے۔آخر کتاب میں دو ضمیمے اور کتابیات و اشاریہ بھی شامل کیا ہے۔''(۱۴)

آج کل کتب مرتب کرنے کا رجحان زیادہ نظر آتا ہے لیکن مرتبین اس جانفشانی سے کام لینے کی بجائے صرف ایک سرسری سا مقدمہ لکھ کر سرورق پر اپنا نام جلی حروف میں لکھوا لیتے ہیں۔ایسے محققین کو ڈاکٹر محمد ایوب قادری جیسے محققین سا اسلوب تحقیق اختیار کرنا چاہیے تا کہ تحقیق کا حق ادا ہو سکے ''مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ'' البتہ قادری صاحب کی اس مرتبہ کتاب میں کچھ خامیاں بھی نظر آتی ہیں جن کی نشاندہی ضروری ہے۔انھوں نے ''کالا پانی'' کے جن نسخوں کی مدد سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کتاب کو مرتب کیا ہے ان کا ذکر انھوں نے مقدمے اور حواشی میں کر دیا ہے لیکن یہ کہیں معلوم نہیں ہوتا کہ تصحیح متن کے لیے کس نسخے کو بنیاد بنایا گیا اور اسے دوسرے نسخوں پر کیوں ترجیح دی گئی اور اگر مختلف نسخوں کی بنیاد پر تصحیح کی گئی ہے تو اختلاف نسخ کو حواشی میں درج کیا جانا چاہیے تھے، کیوں کہ تصحیح متن کا کام تدوین کے زمرے میں آتا ہے۔انجمن ترقی اردو کراچی کے کتب خانے میں موجود ٹمپل پریس کا چھپا ہوا ایک نسخہ ہماری نظروں سے گزرا ہے۔(۱۵) یہ نسخہ قادری صاحب نہیں دیکھ سکے ورنہ اس کا ذکر بھی کرتے۔ٹمپل پریس اور قادری صاحب کی مرتبہ کتاب کے متن میں کئی اختلافات ہیں۔زبان و بیان کے اعتبار سے ٹمپل پریس کا نسخہ تھانیسری کے اسلوب سے زیادہ قریب نظر آتا ہے۔اختلاف متن کی چند مثالیں دیکھیے:

نسخۂ ٹمپل مطبوعہ ٹمپ پریس	نسخہ مرتبہ ایوب قادری
۱۔اس مہلکۂ عظیم سے مجھ کو نجات بخشی۔ص:۲	اس مہلکۂ قیدِ فرنگ سے مجھ کو نجات بخشی۔ص:۴۳
۲۔آخیر ۱۸۶۳ء مطابق ۱۸۲۰ ہجری سرحد غربی ہند پر سرکار کی زبردستی سے ایک جنگ عظیم شروع ہوگیا۔ص ۳	اخیر ۱۸۶۲ مطابق ۱۲۸۰ھ سرحد غربی ہند پر ملک یاغستان میں خود سرکار انگریزی کی زبردستی سے ایک جنگِ عظیم شروع ہوگئی۔ص:۴۵
۳۔منشی عبدالغفور کا نام (جو اس کے اندر مع اور چند آدمیوں کے سوتے تھے) ص:۴	منشی عبدالغفور کا نام (جو اس کے اندر مع اور چند آدمی کے تھے) ص:۴۷
۴۔پارسن صاحب پٹنہ کو گیا۔ص:۱۰	پارسن صاحب پٹنے گیا۔ص:۵۵
۵۔مولوی نذیر حسین صاحب جن پر واسطے اظہار نام کل ممبران اہلِ حدیث باشندگان ہند کے جبر کیا جاتا رہا ہوا اپنے گھر کو واپس آگئے اور جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ نامی بزرگ اس گناہ عظیم سے بالکل محفوظ رہے۔ص:۳۶	مولوی نذیر حسین صاحب جن پر واسطے اظہار نام کل ممبران اہلِ حدیث باشندگان ہند کے جبر کیا جاتا تھا رہا ہوا اپنے گھر کو واپس آگئے۔ص:۵۷
۶۔وہ اکثر اس رباعی عربی کے مضمون کو ادا کیا کرتے تھے۔ص:۳۹	وہ اکثر ان اشعار کے مضمون کو ادا کرتے تھے۔ص:۶۱
۷۔ان کا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد آدمی نیست و نابود ہوجاتا ہے۔وہ لوگ ناچتے اور گاتے بھی ہیں۔ص:۶۰	ان کا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد آدمی نیست و نابود ہو جاتا ہے، دوبارہ زندہ ہونے اور آخرت کے قائل نہیں ہیں۔وہ لوگ ناچتے اور گاتے بھی ہیں۔ص:۹۶۔۹۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۸۔سرکار کی مداخلتِ بیجا کے سبب اخوند سوات بھی بغرضِ اعانت اہلِ علاقہ اپنے بہت سے مریدوں کو لے کر شاملِ جنگ ہوگیا۔ملکی افغان چاروں طرف سے اپنے بچاؤ کے واسطے مقابلہ سرکار پر ٹوٹ پڑے، سخت جنگ ہونے لگا۔خود چمبر لین صاحب مجروح شدید ہوئے۔قریب سات ہزار کے کشت وخون کی نوبت پہنچی تمام چھاؤنیوں کی فوج کھینچ کر سرحد پر بھیجی گئی۔ص:۳

بے گانے ملک میں سرکار کی مداخلت بیجا کے سبب سے ملا عبدالغفور صاحب اخوند سوات بھی اپنے بہت سے مریدوں کو ساتھ لے کر آموجود ہوئے۔ملکی خوانین اور افغان چاروں طرف سے اپنے بچاؤ کے واسطے مقابلہ سرکار پر ٹوٹ پڑے۔قافلہ مجاہدین کی سرکوبی اور نیست ونابود کرنے کو ہماری سرکار چڑھی تھی، الگ رہ گیا مگر یہ دعویٰ خوداختیاری ہر کس وناکس سرکار کے مقابل کھڑا ہوگیا۔مجاہدوں نے بھی بہ تمنائے حصول شہادت دادِ شجاعت دے کر اپنے جوہر دکھلائے۔غرض دوتین مہینے تک خوب جنگ ہوتی رہی۔خود چیمبر لین صاحب مجروح شدید ہوئے،قریب سات ہزار کے کشت وخون کی نوبت پہنچی، تمام پنجاب کی چھاؤنیوں کی فوج کھینچ کر سرحد پر بھیجی گئی۔ص:۴۵

۹۔ہندوستان بے گورنر ہوگئی۔ص:۳

ہندوستان بے گورنر ہوگیا۔ص:۴۵

۱۰۔ایسے نازک وقت اور گہما گہمی کے ایام میں ۱۱دسمبر ۱۸۳۰ع

ایسے نازک وقت میں ۱۱ دسمبر ۱۸۶۳ع

۱۱۔اس مقام پر کوئی شعر نہیں ہے

قادری صاحب نے تھانیسری کی خانہ تلاشی کے ضمن میں صفحہ ۴۶ پر شعر دیا ہے:

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو
سوزنِ تدبیر ساری عمر گر سیتی رہے

۱۲۔آغاز میں یہ قطعہ درج ہے:

چشمِ دل سے دیکھیے صاحب اسے
قصۂ قدرت کی اک تحریر ہے
ہر مسلماں لیوے اس کی ایک جلد
سچے مضموں کی کھنچی تصویر ہے

قطعہ درج نہیں ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۳۔عربی عبارت سے تمہید باندھی ہے عربی عبارت نہیں ہے

غرض اس قسم کے اختلافات اکثر وبیشتر صفحات پر موجود ہیں۔قادری صاحب نے ''ایشری پرشاد اور غزن خان کو غداری کا صلہ'' کے عنوان کے تحت درج ذیل متن دیا ہے:

''غزن خان مخبر نے تو ایک محض جھوٹا قصہ اپنے بیٹے کے قافلے کو بھیجنے کا گھڑ کر ایک دو گاؤں جاگیر سرکار سے لے لیے۔آخیر ۱۸۶۳ع سے دس برس تک برابر ہندوستان کے مسلمانوں پر قیامت برپا رکھی۔''(۱۶)

اس ''ایک دو گاؤں جاگیر سرکار سے لے لیے'' اور '' آخیر ۱۸۶۳ع سے دس برس تک'' کے درمیان ربط میں کوتاہی کا احساس ہوتا ہے۔ٹمپل پریس والے نسخے میں ان دو جملوں کے درمیان کئی صفحات ہیں۔''ایک دو گاؤں جاگیر سرکار سے لے لیے کے بعد'' عبارت مسلسل ہے:

''چوں کہ میں بقدر اپنے فرضی قصور کی ایک بار کافی سزا پاچکا ہوں۔اس واسطے مجھ کو اب صحیح حالات کے اظہار میں کچھ خوف بھی نہیں ہے۔لہٰذا ایک مختصر تواریخ بانیِ قافلہ اور واقعی کیفیت مقدمہ اور بواعث غلط فہمی سرکار کی لکھی جاتی ہیں۔ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے چند جزوں پر بانیِ قافلہ کی تواریخ اپنی کتاب میں بیان کی ہے۔گو بوجہ تعصب تو ڈاکٹر صاحب نے صرف غلط بیانی ہی نہیں کی ہے بلکہ غیر مہذب لفظوں میں ایسے نامی ہادی کی تواریخ کو بیان کر کے اپنی تہذیب میں بھی بٹہ لگایا ہے۔اس واسطے اب میں صحیح تواریخ اس ہادی وقت کی ڈاکٹر صاحب کی کتاب اور نیز دوسری معتبر کتابوں سے اخذ کر کے ڈاکٹر صاحب کی غلطیوں کی تصحیح کیے دیتا ہوں۔''(۱۷)

اس کے بعد صفحہ ۱۱ سے صفحہ ۳۵ تک سید احمد صاحب کے سیرت وکردار پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔[۵] پھر عبارت کو یوں ربط دیا ہے:

''اب میں تواریخ اور تعلیمات سید صاحب کو ختم کر کے اسی ۱۸۶۳ع کے جنگ امبیلا کی طرف رجوع کرتا ہوں۔جب انگریزی فوج بلا وجہ زبردستی سے اپنی عمل داری کے باہر یاغستان غیر عمل داری میں چڑھائی کر کے گئی تو سارا ملک یاغستان معہ اخوند سوات کی سرکار سے بگڑ گیا اور درہ امبیلا پر سخت لڑائیاں ہوئیں۔اگر لاکھوں روپیہ رشوت دے کر ان بگڑے ہوئے افغانوں کو راضی نہ کیا جاتا، ایک آدمی فوج انگریزی کا واپس نہ آتا۔یہ ظاہر اور طبعی بات ہے کہ جب کوئی کسی غیر ملک میں اپنی حد سے باہر زبردستی لڑنے جاوے گا تو اس ملک والے اپنے بچاؤ کو ضرور مقابلہ کریں گے۔اسی سبب سے اس فضول اور زبرستی کے جنگ میں سرکار کا بہت نقصان ہوا اور سخت زک اٹھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر مثل ہر دو جنگ افغانستان کے سرکار کو آخر بے نیل مرام لوٹ آنا پڑا مگر بموجب اس مثل کے کہ کمہار پر بس نہ چلا تو گدھی کے کان اینٹھے، سرکار ان لوگوں کا تو کچھ نہیں کر سکی مگر ہم غریب رعایا پر جو ان کے ہاتھ میں تھی طرح طرح کے طوفان قایم کر کے جس کو چاہا بڑی سزا دی اور کروڑوں روپیہ کا مال صدہا مسلمانوں کا ضبط کر لیا۔''(۱۸)

مولوی جعفر تھانیسری نے اپنے ''پیش لفظ'' میں بتایا ہے کہ ان کی پہلی کتاب ''تاریخِ عجیب'' ۱۲۹۲ھ کا نام بھی تاریخی تھا اور اتفاق سے ایک حرف زیادہ کردینے سے چھ برس کی پیشی کو پورا کر کے اس کتاب کا نام بھی ''تواریخِ عجیب'' ۱۳۰۲ھ رکھا گیا ہے۔یہ وہی دوسری جلد ہے جس کی اشاعت کا وعدہ ہندوستان پہنچنے کے بعد کیا تھا۔(۱۹) قادری صاحب نے ''تواریخِ عجیب'' المعروف بہ ''کالا پانی'' کی جو تفصیلات بیان کی ہیں اس کے مطابق اس کا پہلا ایڈیشن بہت چھوٹے سائز میں بغیر کسی ذیلی باب یا سرخی کے شائع ہوا تھا۔اس کے بعد صوفی کمپنی منڈی بہاالدین نے اس کے مختلف ابواب بنائے اور سرخیاں قائم کر کے شائع کیا۔صوفی کمپنی نے نویں باب میں مولانا محمد علی کا ایک شعر ؔ''کالا پانی'' کے عنوان کے تحت قائم کیا۔اشاعت اوّل میں ایسی کوئی ذیلی سرخی یا شعر موجود نہیں۔مکتبہ السّلفیہ ملتان سے بھی اس کا ایک ایڈیشن ۱۹۵۳ع کے بعد شائع ہوا جس میں کتاب کے آخر میں مولوی یحیٰ علی کے حالات شامل ہیں جو سیرت سید احمد شہید مولفہ مولوی ابوالحسن علی ندوی سے ماخوذ ہیں۔۱۳۶۳ھ میں اقبال اکیڈمی، لاہور سے اس کا ایک ایڈیشن شائع ہوا۔نفیس اکیڈمی حیدر آباد دکن نے بھی اس کا ایک ایڈیشن ''ایک مجاہد کی ڈائری'' کے نام سے شائع کیا۔یہ کتاب رسائل ''الارشاد جدید''، کراچی میں ۱۹۵۳ع اور ''چٹان''، لاہور میں ۱۹۶۱ع میں بھی قسط وار شائع ہوئی۔(۲۰) مولانا جعفر تھانیسری اس کتاب کی تصنیف کی وجہ بتاتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''میری واپسی انڈمان کے بعد جب ہر ایک دوست نے، جس سے میری ملاقات ہوئی میری قیدِ بست [۲۰] سالہ سفر اور ان جزائر کی کیفیت پوچھنی شروع کی تو ہر ایک شخص کے رُوبہ رُو ایک بست سالہ تواریخ کا بیان کرنا دشوار سمجھ کر ضروری ضروری حالات و واقعات جو اس مدت بیس سال میں مجھ کو پیش آئے مختصراً واسطے ملاحظہ ناظرین کے لکھ دیتا ہوں کہ ہر مسائل اور مستفسر کے روبہ رو اس کو پیش کر دوں۔''(۲۱)

مولوی محمد جعفر نے اپنی اس خودنوشت میں انگریزی دور میں انگریز مصنفوں کے تعصّبات، عدالتی ناانصافیوں، جیلوں کے حالات، قیدیوں سے روا رکھے جانے والے سلوک، پولیس کے مظالم، گواہوں کے بکنے اور گواہیوں سے مکرنے، انڈمان پہنچنے، انڈمان کی پیداوار و آب و ہوا، انڈمان کی نوآبادیوں اور مختلف قوموں اور ان کی معاشرت، مختلف زبانوں وہاں کے اصلی باشندوں، ان کے مذہبی خیالات، سماجی زندگی، نسلی امتیازات، انڈمان میں اپنی ملازمت،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شادیوں، تجارت، زبان انگریزی کی تحصیل، مغربی علوم کے ملحدانہ اثرات، مذہبی جھگڑوں، ہندوؤں کی سازشوں، گورنر جنرل لارڈ میوں کے انڈمان میں قتل، جزیرہ انڈمان سے اپنی رہائی، انڈمان میں اپنے مسکونہ مکان کو مسجد بنانے کی اجازت نہ ملنے سوادِ ہند کو بہ ذریعہ جہاز روانگی اور بہ راستہ کلکتہ تھانیسر کے سفر اور ریاست ارنولی میں ملازمت تک تمام حالات انتہائی دل چسپ انداز میں بیان کر دیے ہیں۔اس کتاب میں انگریز سرکار سے ان کے معذرت خواہانہ لہجے اور انگریزی حکومت سے ہم دردی کا احساس بھی ہوتا ہے۔اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ وہابی تحریک شروع سے سرکار انگریز کے عتاب کا شکار رہی اور حکومت سے مزید دشمنی کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی۔مثلاً ہنٹر کی کتاب ''ہمارے ہندوستانی مسلمان'' پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ شروع ہی سے پنجاب میں افغانوں نے انگریزی میموں، بچوں اور گورنر جنرل کو بھی مار ڈالا۔حتیٰ کہ ان کے مولویوں نے ان کے قتل کو بھی باعثِ ثواب قرار دے رکھا ہے پھر بھی انگریز افغانوں سے زیادہ وہابیوں کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔جب کہ حقیقت یہ ہے کہ وہابیوں نے انگریزوں کا قتل تو درکنار کبھی کوئی خلاف تہذیب حرکت بھی انگریز سرکار کے خلاف نہیں کی۔(۲۲) وہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو بھی بغاوت کہتے ہیں اور انگریز سرکار کو ''سرکارِ ابد پائیدار'' قرار دے کر اپنی وفاداری کے ثبوت کے طور پر فرماتے ہیں:

> ''عین بغاوت ۱۸۵۷ء کے عام فتنے کے وقت، بجائے بغاوت اور فساد کے وہابیوں نے انگریزوں کی میم اور بچوں کو باغیوں کے ہاتھ سے بچا کر اپنے گھروں میں چھپا رکھا مگر ڈاکٹر ہنٹر کے جادو نے دونوں قوموں کے درمیان براہِ راست تعصب سخت دشمنی اور نفرت کر رکھی ہے۔لیکن خدا کا شکر ہے کہ ان پچیس برسِ گزشتہ کے تجربوں اور وہابیوں کی خیر خواہی نے ڈاکٹر ہنٹر صاحب کے اس خیالی پلاؤ کو سرتا پا غلط ثابت کر دیا اور جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حسب سفارش گورنمنٹ پنجاب جس کے علاقے کے وہابی، جملہ رعایا ہند پر، خیر خواہی سرکار میں سبقت لے گئے۔یہ لفظ 'وہابی' جو ان کا عطیہ خطاب تھا، بہ حکم ہند سرکاری تحریرات میں یک قلم لکھنا بند ہو گیا اور آئندہ سے یہ لوگ اپنے پرانے نام 'محمدی' یا اہلِ حدیث سے پکارے جایا کریں گے اور میں دیکھتا ہوں کہ بہ وجہ اس قدر دانی کے یہ لوگ اس قدر گورنمنٹ کے ہوئے ہیں کہ اگر موقع آ پڑے تو سرکار ابد پائیدار پر اپنی جان نچھاور کر دیویں۔''(۲۳)

مولوی محمد جعفر سید احمد شہید کی تحریک کے خاص کارکنوں میں ہونے کی وجہ سے انگریز سرکار کے معتوب تھے۔گرفتاری کے حکم کے بعد ان کے گھر کی تلاشی لی گئی مگر وہ فرار ہو کر دہلی اور پھر علی گڑھ چلے گئے۔علی گڑھ میں انھیں پولیس نے گھیر لیا اور پھانسی گھر میں ڈال دیا گیا۔انھیں مختلف جیلوں میں رہنے کا اتفاق ہوا۔جیل میں قیدیوں کو دیے جانے والے کھانے کی تفصیلات بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ انھیں کھانے کے لیے ساگ اور روٹی دی گئی۔جسے ساگ کہا گیا پتوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بجاے موٹے موٹے ڈنٹھلوں سے بنا تھا اور روٹی میں چوتھائی کے قریب بالو اور مٹی ملی تھی۔ تھانیسری لکھتے ہیں کہ اکثر جیلوں میں جہاں جہاں وہ گئے قیدیوں کو تقریباً ایسا ہی کھانا دیا جاتا تھا اور وہ بھی بہت کم مقدار میں جس سے پیٹ نہیں بھرتا، اسی لیے جب انھیں مشقت کے لیے گیہوں پینے کے لیے دی جاتی تو تو بھوک کی وجہ سے قیدی سیروں گیہوں چبا جاتے یا آٹا پانی میں گھول کر پی لیتے تھے اور آٹے کا وزن پورا کرنے کے لیے آٹے میں مٹی ملا دیتے تھے۔ جو عمدہ ترکاری جیل کے باغوں میں پیدا ہوتی تھی اسے فروخت کر دیا جاتا یا جیل کے عہدے دار ہڑپ کر جاتے اور ناکارہ ڈنٹھل جنھیں جانور بھی کھانا پسند نہیں کرتے گنڈاسوں سے کوٹ کر قیدیوں کے لیے پکا دیے جاتے۔(۲۴)

عدالتوں کی ناانصافی اور ججوں کے تعصب کا یہ عالم تھا کہ خود ڈرا دھمکا کر اعتراف جرم کرنے پر مجبور کرتے اور صفائی کے گواہوں کو بلانے کی اجازت بھی نہ دی جاتی، اور وہ کسی طرح حاضر بھی ہو جاتے تو ان کے بیان نہ لکھے جاتے۔(۲۵) مولوی محمد جعفر کے مقدمے کا فیصلہ کرتے ہوئے جج نے جو الفاظ تحریر کیے وہ انگریزی حکومتوں کی عدالتی ناانصافی کا بیّن ثبوت ہے۔ اس بیان کی صداقت کے لیے یہ دلیل کافی ہے کہ مصنف نے اس کتاب کو انڈمان سے رہائی کے بعد اس وقت تحریر کیا جب کہ انگریزی سرکار کے افسران ان پر مہربان تھے، انھیں نوکری بھی مل گئی تھی اور وہ خود بھی انگریز حکومت سے تعلقات خراب کرنے کے متحمل نہیں تھے، اس کے باوجود انھوں نے اس حقیقت کو تحریر کیا جو آج پھانسی کے قانون کے خلاف، انسانی حقوق کی ٹھیکیدار بنی مغربی اقوام کے تاریخی چہرے کا ایک بدنما داغ ہے:

> ''تم نے سوائے انکار بحث کے کچھ حیلتاً بھی خیر خواہیِ سرکار کا دم نہیں بھرا اور باوجود فہمائش کے اس کے ثابت کرانے میں کچھ کوشش نہ کی۔
>
> اس واسطے تم کو پھانسی دی جاوے گی اور تمہاری کل جائیداد ضبط سرکار ہو گی اور تمہاری لاش بھی تمہارے وارثوں کو نہ دی جائے گی۔ بل کہ نہایت ذلت کے ساتھ گورستان جیل میں گاڑ دی جاے گی اور آخر میں یہ کلمہ بھی فرمایا کہ میں تم کو پھانسی پر لٹکتا ہوا دیکھ کر بہت خوش ہوں گا۔''(۲۶)

مسلمان شہادت کو اپنے لیے سعادت خیال کرتے ہیں۔ جعفر تھانیسری پھانسی گھر میں قید تھے کہ ۱۶ ستمبر/ ۱۸۶۴ء کو ڈپٹی کمشنر انبالہ پھانسی گھر آئے اور عدالت کا حکم سنایا جس میں کہا گیا تھا کہ تم لوگ پھانسی کو بہت دوست رکھتے ہو اور شہادت سمجھتے ہو مگر سرکار تمھیں تمھاری من چاہی سزا نہیں دے گی، اس لیے تمھاری سزا کو دائم الحبس بہ عبور دریاے شور سے بدل دیا گیا ہے۔(۲۷) یعنی سزاے موت کسی ہمدردی یا رحم کی وجہ سے نہیں بل کہ صرف اس وجہ سے قید میں بدلی گئی کہ مسلمان آزادی کی جدوجہد میں ملنے والی موت کو شہادت سمجھتے ہیں۔ جعفر تھانیسری ستمبر/ ۱۸۶۴ء سے فروری/ ۱۸۶۵ء تک انبالے کی جیل میں رہے۔ اس کے بعد انھیں کالے پانی کی قید کاٹنے کے لیے ۲۲ فروری/ ۱۸۶۵ء کو پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر لاہور جیل کے لیے روانہ کر دیا گیا۔ لاہور جیل میں ایک آہنی ڈنڈا بھی ان کے پاؤں کی دونوں بیڑیوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درمیان ڈال دیا گیا۔

اکتوبر کے آخر میں، جعفر تھانیسری، مولوی یحییٰ علی اور میاں عبدالغفور کو ملتان روانہ کر دیا گیا۔ روانگی کے وقت ایک ایک ہتھکڑی دو دو آدمیوں کے ہاتھوں میں ڈالی گئی۔ ملتان جیل میں دو دن رکھنے کے بعد انھیں دریائے سندھ کے قریبی گھاٹ سے دخانی کشتی کے ذریعے کراچی کے لیے اس طرح روانہ کیا گیا کہ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں، پاؤں میں بیڑیاں اور بیڑیوں میں آہنی ڈنڈے تو پہلے ہی سے موجود تھے۔ اب ان بیڑیوں میں ایک موٹی زنجیر بھی ایسے پھنسائی گئی کہ اپنی جگہوں پر بیٹھے بیٹھے پیشاب پاخانہ کرتے رہے۔(۲۸) ہندوستان کے جیل خانوں کے بارے میں اپنے تاثرات درج کرتے ہوئے تھانیسری نے بتایا ہے کہ ہندوستان کے جیلوں میں دیسی، خاص طور پر شریفوں کو بڑی مشکل ہوتی ہے۔ کھانے کپڑے کا بندوبست ہوتا ہے، نہ پاخانے کا، خواہ کوئی موسم ہو رات کو بارکوں میں جانوروں کی طرح بند کر دیتے ہیں۔ صرف بدمعاشوں کو آرام ملتا ہے۔ دیسیوں کے مدارج کا بھی کچھ لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ تمام کالوں کو ایک سمجھ کر، راجہ، نواب، مہتر چمار، سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا جاتا ہے اور کوٹ پتلون والوں کو عزت دی جاتی ہے، یوروپین و دوغلے دونوں صاحب لوگوں کی طرح چین سے رہتے ہیں۔(۲۹) مگر کراچی جیل کے بارے میں انھوں نے بہت اچھے تاثرات تحریر کیے ہیں۔ انھی کے الفاظ میں:

> ''الحمد للہ کہ کراچی جیل میں پہنچنے کے ساتھ ہی ہماری ہتھکڑی اور آڑے ڈنڈے سے تو نجات ہوئی، فقط بیڑی آہنی زیب تن رہی۔ بہ مقابلہ دوسرے جیل خانوں کے جہاں جہاں یہ خاکسار رہا، کراچی کے جیل کو ایک جیل کیا ایک عمدہ مہمان سرائے کہنا چاہیے۔ وہاں رات کو قیدیوں کو بارک یا کوٹھڑیوں میں مثل جانوروں کے بند نہیں کرتے، بنگلوں کی طرح سے کھلے ہوئے مکان اور چٹائیوں کا فرش بچھا ہوا قیدیوں کے واسطے موجود ہے، رات کو جہاں چاہو پھرو، جہاں چاہو سوؤ، کوئی مانع نہیں۔ پہرے والے فقط جیل کی فصیل پر پھرتے ہیں۔''(۳۰)

یہاں قیدیوں کو کھانا بھی دوسری جیلوں کی نسبت اچھا دیا جاتا تھا۔ گیہوں کی روٹیاں، گوشت، عمدہ ترکاری اور کھانا بھی پیٹ بھر کر ملتا تھا۔ مگر یہاں بھی تھانیسری نے یہ شکایت کی ہے کہ: ''پاخانہ کرنے کی بڑی دقت تھی کیوں کہ چوبی پیپوں کو میدان میں رکھوا دیا ہے، جس کے اوپر چڑھ کر تن برہنہ سب کے سامنے قیدی پاخانہ پھر کرتے ہیں۔''(۳۱) کراچی جیل میں وہ ایک ہفتے رہ کر بادبانی جہاز جس کو بگلہ کہتے تھے کے ذریعے بمبئی کے لیے روانہ ہوئے۔ بمبئی جیل میں بھی انھوں نے ناقص غذا اور قیدیوں کے ساتھ ہونے والے ناروا سلوک کا ذکر کیا ہے۔ بمبئی سے ۸ دسمبر/ ۱۸۶۵ع کو جمنا نامی جہاز پر سوار ہو کر ۱۱ جنوری/ ۱۸۶۶ع کو پورٹ بلیئر انڈمان پہنچے۔ انبالے سے انڈمان کا سفر انھوں نے گویا گیارہ ماہ میں طے کیا۔ جہاز میں دور سے پورٹ بلیئر کا منظر انھوں نے یوں بیان کیا ہے کہ: ''دور سے سمندر کے کنارے کے کالے کالے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پتھر ایسے معلوم ہوتے تھے کہ گویا بھینسوں کے جھنڈ پانی میں پھر رہے ہیں۔''(۳۲) جزائر انڈمان کے بارے میں انھوں نے معلومات دی ہیں کہ یہ جزائر ۶۴۷ا میل پر پھیلے ہوئے ہیں اور ان کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہے۔ یہ جزیرے کسی زمانے میں براعظم ایشیا سے ملے ہوئے تھے مگر وقت گزرنے کے ساتھ اور سمندر کی موجوں سے کٹتے کٹتے پہلے یہ ٹکڑا ایشیا سے الگ ہوا اور پھر یہ جزیرے ایک دوسرے سے بھی الگ ہو گئے۔(۳۳) یہاں سب سے اونچے پہاڑ کا نام مونٹ بریٹ ہے جو سطحِ سمندر سے ۱۶۶ فٹ اونچا ہے۔ یہاں میٹھے پانی کی کوئی ندی یا نالہ نہیں، برسات کے موسم میں اونچے ٹیلوں سے پانی کے جھرنے بہتے ہیں جو خشکی کے دنوں میں بند ہو جاتے ہیں۔ جنگلوں میں سور کے سوا کوئی چوپایہ یا درندہ نہیں ہوتا۔ آم، جامن، کٹھل، املی، ناریل، جائپھل، پان، وغیرہ جو گرم ملکوں میں ہوتے ہیں یہاں موجود ہیں۔ دھان، مکی، جوار، مونگ، ماش وغیرہ کثرت سے پیدا ہوتے ہیں لیکن گیہوں چنا جو دوسرے ملکوں کے اناج ہیں یہاں بالکل پیدا نہیں ہوتے۔(۳۴) یہاں کی آب و ہوا عمدہ اور صحت بخش ہے۔ بارش بارہ مہینے دن رات ہوتی ہے:

> ''دسمبر جنوری میں رات کو ایک چادر اوڑھنے کی نوبت آتی ہے۔ نہ گرمی میں گرمی ہوتی ہے، نہ لُو یہاں چلتی ہے۔ سرمائی کپڑوں کا یہاں بل کل دستور نہیں، نہ کوئی رضائی بناتا ہے، نہ دلائی، نہ یہاں رُوئی ہے، نہ دُھنیا، یہاں نہ کبھی موسمِ خزاں ہے نہ بہار، بارہ مہینے درخت ہرے بھرے رہتے ہیں۔ غالباً یہاں کی موسم بہ رعایت حال جنگلیوں کے جو ننگے مادر زاد پھرتے ہیں اس حکیم و علیم نے بنائی ہے۔ اگر سردی یا گرمی ہوتو وہ ننگی مخلوقِ خدا فوراُ ہلاک ہو جائے۔''ے(۳۵)

انڈمان کے اصلی باشندوں کے بارے انھوں نے بتایا ہے کہ ان کا قد چار فٹ پانچ انچ تک ہوتا ہے۔ یہ حبشیوں کی طرح سیاہ فام ہوتے ہیں۔ ان کے سر گول، آنکھیں ابھری ہوئیں، سر کے بال بھیڑ کے بالوں کی طرح ہوتے ہیں۔ یہ لوگ نہایت مضبوط اور قوی ہیں۔ ان کی انڈمان میں بارہ ذاتیں ہیں اور ہر ذات کی الگ زبان ہے۔ مذہبی طور پر یہ لوگ خدا کے قائل ہیں جو آسمان میں رہتا ہے اور اسی نے ہر شے بنائی ہے، اسے کسی نے پیدا نہیں کیا، وہ ہمیشہ سے موجود ہے، اسے کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ بجلی کی کڑک اسی کے حکم سے ہے، بارش بھی وہی برساتا ہے، موت اسی کے حکم سے آتی ہے، روزی دینے والا بھی وہی ہے۔ اس کی ایک بیوی ہے جس کا نام ''چانا پالک'' ہے۔ اس کی بیوی کو بھی فنا نہیں، نہ اسے کسی نے پیدا کیا مگر اس کا درجہ خدا سے کم ہے، اس کا کام یہ ہے کہ وہ سمندر میں مچھلیاں پیدا کرتی ہے، وہی مچھلیوں کو آسمان سے گراتی ہے۔ یہ لوگ دو شیطانوں کو مانتے ہیں، ان کے نزدیک زمین اور سمندر کے شیطان الگ الگ ہیں۔ زمین کے شیطان کا نام ''ارم چوگلا'' ہے۔ جب کوئی زمین پر حادثاتی موت مرتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ اسے ارم چوگلا نے مار ڈالا۔ دوسرا شیطان سمندر کا ہے۔ اس کا نام ''جورونڈا'' ہے۔ جب کوئی ڈوب کر مرتا ہے تو یہ سمجھتے ہیں۔ اسے جورونڈا نے مارا ہے۔ فرشتوں کو بھی مانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ مرد اور عورت دونوں جنسوں سے ہیں، جنگلوں میں رہتے اور آدمیوں کی حفاظت کرتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ بھوت پریت کے بھی قائل ہیں۔ طوفانِ نوح کو بھی مانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کے بزرگوں نے ایک کشتی بنائی تھی جس پر سوار ہو کر وہ اس جزیرے پر اترے تھے۔(۳۶)

ان لوگوں کی سماجی زندگی کے بارے میں تھانیسری بتاتے ہیں کہ ان لوگوں کو دو سے زیادہ گنتی نہیں آتی، جب دو سے زیادہ کسی چیز کو گنتے ہیں تو انگلیوں پر شمار کرتے ہیں۔ مادر زاد ننگے پھرتے ہیں، صرف عورتیں اپنی شرم گاہ کو چھوٹے سے پتے سے چھپائے رہتی ہیں۔ مونچھ داڑھی یا سر کے بال مرد عورت کوئی نہیں رکھتا۔ ان کے ہاں شادی بیاہ کا طریقہ بھی بہت سادہ ہے۔ شادی کے وقت دلہا دلہن کے بدن کو شادی کے وقت چربی سے لال رنگ دیتے ہیں اور ساری قوم جمع ہو جاتی ہے۔ ایک شخص قاضی کے طور پر ہوتا ہے جو دولھا کو اٹھا کر دلہن کے پاس لے جاتا ہے اور اس کے سامنے تیر کمان رکھ کر کہتا ہے کہ ان سے شکار کر کے اپنی عورت کی پرورش کرنا اور پھر وہی آدمی بلند آواز سے ''اَب اِک'' کہتا ہے، جس کا مطلب ہے لے جاؤ اب یہ تمھاری بیوی ہے۔ پھر اس کے بعد تا حیات ان میں طلاق یا جدائی نہیں ہوتی۔ شادی کے بعد یہ زنا نہیں کرتے۔ ولادت کے وقت ان کے ہاں پردے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مردوں کے سامنے عورتیں بچے جنتی ہیں اور اسی وقت سے اپنے کام کاج میں لگ جاتی ہیں۔ رہنے کے لیے یہ لوگ چار کھمبے کھڑے کر کے اس کے اوپر تھوڑی سی پتی ڈال کر عارضی سا ٹھکانہ بنا لیتے ہیں جس میں سوائے میاں بیوی کوئی نہیں رہتا۔ ان کے گھر میں کوئی جائیداد نہیں ہوتی۔ تیر کمان ہی ان کی اصل جائیداد ہے۔ یہ لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں اور نہ اناج کھاتے ہیں۔ ان کا کھانا مچھلی، سمندر کے کیڑے مکوڑے اور کچھوے وغیرہ ہیں۔ ان ہی کو کچا پکا بے نمک مرچ کھا جاتے ہیں۔ ان کے ہاں کوئی ڈاکٹر یا حکیم نہیں ہوتا۔ جب کوئی بیمار ہوتا ہے تو وہ خود یا اس کا کوئی رشتہ دار بوتل کے ٹکرے سے زخم کر کے اس کے خون نکال دیتا ہے۔ یہی ان کا علاج ہوتا ہے۔(۳۷) ان کے ہاں تدفین کا طریقہ بھی نرالا ہے:

> ''جب کوئی مر جاتا ہے تو ایک ٹوکری میں مردے کو رکھ کر اس کے گھٹنوں کو مروڑ کر اس کی چھاتی تک لا کر باندھ دیتے ہیں اور سارے اعضاً کو درخت کے چھلکوں سے کستے ہیں اور پھر قبر کھود کر اس میں گاڑ دیتے ہیں اور قبر کے نزدیک آگ جلتی رہتی ہے اور ایک یا دو مہینے کے بعد اس کی قبر کھود کر اس کا ماتم کر کے اس کی ہڈیوں کو اس کے سب عزیز آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں اور پھر ان کو حرزِ جان کر کے اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور کسی لاش کو بجائے گاڑنے کے ایک مچان پر رکھ دیتے ہیں یا کسی درخت کی شاخ پر لٹکا دیتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد آدمی نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ دوبارہ زندہ ہونے اور جزا سزا، آخرت کے قائل نہیں ہیں۔''(۳۸)

پورٹ بلئیر میں قیدیوں کے قوانین کے بارے میں تھانیسری بتاتے ہیں کہ یہاں ہر سال دو ہزار قیدی لائے جاتے ہیں جن کی بیڑی جہاز سے اترنے کے ایک ماہ بعد کاٹ دی جاتی ہے۔ یہاں جیل نہیں ہوتی یہ قیدی اپنے سینئر قیدی افسروں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ماتحت بارکوں میں رہتے ہیں۔دن میں سخت مشقت کرتے ہیں اور رات کو ان ہی بارکوں میں سو جاتے ہیں۔کھانے کے لیے ان کو دو وقت پختہ کھانا ملتا ہے۔بارکوں کی حفاظت بھی قیدی افسر ہی کرتے ہیں۔نئے قیدیوں کی نگرانی کرنا اور ان میں کام تقسیم کرنا سب ان ہی کے ذمے ہوتا ہے۔یہ افسر قیدی سر پر لال دوپٹہ اور گلے میں چپڑاس ڈالے رہتے ہیں۔انھیں خوراک کے علاوہ تنخواہ بھی ملتی ہے۔تین چار برس بعد نئے قیدیوں کو بھی نیک چال چلن کی شرط پر نقد تنخواہ ملنے لگ جاتی ہے اور وہ بھی پٹے والے افسر مقرر ہو جاتے ہیں۔دس سال تک نیک چال چلن دکھانے کے بعد ہر مرد قیدی کو ایک ٹکٹ مل جاتا ہے۔اس ٹکٹ کی وجہ سے وہ آزاد ہو کر بیرک سے باہر نکل کر شہر اور بستیوں میں جا کر کوئی بھی کام کر سکتا ہے۔ایسے قیدیوں کی پچاس ساٹھ بستیاں آباد ہیں جن میں قیدی ہی نمبر دار اور چوکیدار ہیں۔جو عورتیں قید ہو کر آجاتی ہیں۔انھیں علاحدہ جزیرے میں سینئر قیدی عورتوں کے ماتحت رکھا جاتا ہے۔انھیں بدکاری کی اجازت نہیں ہوتی۔وہ بھی اپنی بارک میں پسائی،سلائی وغیرہ کی مشقت کرتی ہیں۔ان عورتوں کو پانچ سال بعد آزادی کا ٹکٹ ملتا ہے مگر جوان عورتیں جب تک شادی نہ کرلیں بیرک سے باہر نہیں جاسکتیں۔پانچ سال بعد انھیں اجازت ہوتی ہے کہ جس مرد سے چاہیں شادی کرلیں۔مردوں میں صرف ٹکٹ والے مرد ہی شادی کر سکتے ہیں۔جس کو شادی کرنی ہو وہ عورتوں کے ٹاپو میں جا کر کسی عورت کو کچھ دے دلا کر راضی کر لیتا ہے اور جب دونوں میاں بیوی راضی ہو جاتے ہیں تو ایک اقرار نامہ چیف کمشنر کو بھر کے دینا پڑتا ہے جس کے بعد بیوی میاں کے گھر آجاتی ہے۔(۳۹)

مولوی جعفر کی قابلیت جزیرہ انڈمان میں بہ ذریعہ اخبارات پہنچ چکی تھی۔اسی لیے جہاز سے اترتے ہی انھیں نائب میر منشی مقرر کر دیا گیا تھا۔ایک گھر رہنے کو اور ایک نوکر خدمت کو بھی مل گیا تھا۔ان پر دوسرے قیدیوں کی طرح کوئی روک ٹوک بھی نہ تھی۔آزاد لوگوں کی طرح جہاں جی چاہتا چلے جاتے۔یہ ان کے شباب کا زمانہ تھا مگر بیوی بچوں سے دور ہونے کی وجہ سے ستائیس سال کی عمر میں جزیرہ انڈمان میں مجرد زندگی بسر کر رہے تھے۔انھوں نے بیوی بچوں کو بلانا چاہا مگر بیوی بچوں کو صرف ٹکٹ والے قیدی ہی بلا سکتے تھے۔اس لیے انھوں نے ایک کم سن کشمیری عورت سے شادی کر لی مگر جلد ہی اس عورت کا انتقال ہو گیا۔اس کے انتقال کے بعد جب وہ بیوی بچوں کو بلانے کے قابل ہوئے تو بیوی نے آنے سے انکار کر دیا۔اب دوسری شادی ایک برہمن ہندو عورت سے کی جو ضلع الموڑہ کی رہنے والی تھی۔اس کے متعلق لکھتے ہیں: ''میں نے دیکھا کہ نہایت خوش چلن اور شرمناک عورت ہے مگر پرلے سرے کی اپنے ہندو دھرم میں متعصب تھی،کسی مسلمان عورت کے نزدیک کھڑا ہونا اور کپڑے چھونے تک گوارا نہ کرتی تھیں۔بارک کی مسلمان عورتیں اس کے تعصب سے تنگ تھیں۔''(۴۰) لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اتنی متعصب عورت بقول تھانیسری: ''ہمیشہ شرک اور بت پرستی سے بے زار رہی تھی اور کبھی بتوں کی پوجا میں شریک نہیں ہوئی تھی۔''(۴۱) بہ ظاہر تو یہ تھانیسری کا مبالغہ ہی معلوم ہوتا ہے۔اس بیوی کے ساتھ ازدواج کے متعلق انھوں نے بعض غیبی اشاروں کا بھی ذکر کیا ہے۔مثلاً ایک جگہ لکھا ہے کہ اس کی بتوں سے بے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زاری دیکھ کر جوتشیوں نے اس کی ماں کو کہا تھا کہ یہ بہت جلد تم سے جدا ہو جائے گی اور جب وہ گرفتار ہو کر انڈمان آئی تو:

''پہلی ہی شب گرفتاری کو بہ وقت سحر اس نے ایک بزرگ نورانی چہرے بوڑھے مسلمان کو خواب میں دیکھا، جس نے اس کو ایک ٹھوکر مار کر اس سے کہا کہ اٹھ نماز پڑھ اور دعا کر تیرے واسطے قید ہونا اچھا ہوا۔ اس سے پہلے ایسی شکل اور ہیبت کبھی نہ دیکھی تھی اور نہ لفظ نماز اور دعا کبھی سنا تھا۔ گھبرا کر جاگ اٹھی اور محافظین میں جو ایک سپاہی مسلمان تھی، اس سے یہ خواب بیان کر کے اس کی تعبیر پوچھی، جس نے کہا کہ تو ضرور قید ہو کر مسلمان ہو جاوے گی۔'' (۴۲)

کمال یہ ہے کہ اتنی متعصب عورت جس سے کے تعصب سے مسلمان عورتیں تنگ تھیں مولوی جعفر کے صرف ایک بار سمجھانے پر مسلمان ہو کر ان سے نکاح کے لیے راضی بھی ہو گئی۔ اس عورت سے مولوی جعفر کے دس بچے ہوئے اور یہی ان کے ساتھ انڈمان سے ان کے ساتھ واپس آئی۔ وسیم احمد نے ان کی اس شادی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کشمیری برہمن کے مرنے کے بعد انھوں نے ایک مقامی عورت سے شادی کر لی تھی جس کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ قیدی تھی، ہم مذہب یا مذہب کی تبدیلی کے بعد اس سے نکاح ہوا تھا مگر جب مولانا واپس آئے تو ان کے ساتھ یہی بیوی تھی۔ اس سے دس بچے تھے مگر آٹھ ساتھ آئے دو کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ انڈمان میں فوت ہو گئے یا خود وہاں رہ گئے۔ (۴۳) مولوی جعفر نے پورٹ بلیئر میں لگ بھگ بیس سال گزارے اور ایسا معلوم ہوتا ہے ہر مقام پر خوش قسمتی ان کے ساتھ رہی۔ آتے ہی انھیں نوکری بھی مل گئی، آزادی بھی، نوکری میں ترقی بھی ہوئی۔ تجارت بھی کی، افسروں کے منظورِ نظر بھی رہے۔ دوسرے قیدیوں کی طرح مشقتیں بھی نہیں کرنی پڑیں، ورنہ ان سے پہلے پورٹ بلیئر کے قیدیوں کا جو حال تھا وہ ان ہی کے الفاظ میں دیکھیے:

''جب ہم اس جزیرے میں پہنچے ہزاروں مرد عورت قیدیوں کو دیکھا کہ ماتھا ان کا کھود کر پیشانی پر ان کا نام اور جرم اور الفاظ دائم الحبس لکھا ہوا ہے کہ وہ نوشت مثلِ نوشتہ تقدیر کے تمام عمر نہیں مٹتی مگر یہ تائیدِ الٰہی سنیے کہ ہمارے پہنچنے سے کچھ عرصے پہلے وہ حکم ماتھا کھودنے کا تمام عمل داری سرکار سے ہمیشہ کے لیے موقوف ہو گیا۔ اس سبب سے اس کا داغ دائم الحبس سے بھی ہم محفوظ رہے۔'' (۴۴)

اور یہ تائیدِ الٰہی جزیرہ انڈمان میں تمام عرصے ان کے ساتھ رہی۔ انھوں نے دو شادیاں بھی کیں اور مال و اہل و عیال کے ساتھ پورٹ بلیئر سے رہا ہوئے۔ اپنی رہائی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''بہ ظاہر کوئی سامان میری رہائی کا اس وقت نہ تھا، مگر اس مستجاب الدعوات نے وہ فریاد ان کی (بیوی بچوں) اسی دم قبول کر لی۔ ۳۰ر دسمبر ۱۸۸۲ء کو بلا عرضی اور درخواست اور بلا سعیِ سفارش میری رہائی ہو کر مجھ سے پہلے پانی پت میں میری بیوی کو اطلاع ہو گئی۔۔۔۔ آخر ۲۲ر جنوری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۸۸۳ع روز دوشنبہ کو مہارانی نام اگن بوٹ یہ حکم لے کر پہنچا کہ جس قدر آدمی بہ جرم بغاوت وہابی کیس میں قید ہیں، سب یک قلم رہا کر کے ہند کو روانہ کر دیے جائیں۔ان کی لوکل گورنمنٹ ان کی سکونت کے لیے معقول بندوبست کرے گی۔'' (۴۵)

مولوی جعفر کی اس خودنوشت میں سفرنامے کی چاشنی بھی موجود ہے۔وہ جہاں جہاں جاتے تھے۔سفر کی کیفیات کے علاوہ وہاں کے موسم، ماحول اور لوگوں کے بارے میں بھی معلومات مہیا کر دیتے ہیں۔مثال کے طور پر ملتان سے کراچی سفر کی روداد لکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''کوٹڑی کے سامنے دوسرے کنارے پر دریاے سندھ پر حیدرآباد سندھ نامی بستی بھی دیکھنے میں آئی۔کوٹڑی سے اسی دن ریل پر سوار ہو کر ہم کراچی میں پہنچ گئے۔اس ملک میں بڑی بڑی اونچی ٹوپیاں منشی اور کلارک اور بڑی بڑی پگڑیاں ہندو مہاجن پہنتے تھے۔۔۔۔ملک سندھ میں سب سندھی زبان کا دفتر دیکھا گیا۔سندھی علم کے حروف تو فارسی کے ہیں مگر زبان سندھی ہونے کے سبب ہم کو ایک لفظ بھی سمجھنا دشوار ہے۔'' (۴۶)

بمبئی کی منظر کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''بمبئی کی عمارات جہاں تک ہم کو دیکھنے کا موقع ملا، نہایت اونچی اور دیواروں میں بے شمار کھڑکیاں بنی ہوئی تھیں۔بمبئی شہر بھی ایک ٹاپو ہے، ایک بند باندھ کر اس کو براعظم ہند سے ملا دیا ہے۔بمبئی اور تھانے کے بیچ میں سمندر بہتا ہے اور اس کے پانی کو کھیت اور کیاریوں میں روک دیتے ہیں۔دھوپ کی تپش سے وہ کھارا پانی خشک ہو کر عمدہ نمک خود بہ خود تیار ہو جاتا ہے۔ہزاروں من نمک کے انبار ریلوے سڑک کے کنارے کنارے لگے ہوئے تھے۔ناریل کے درخت اور اس کا تازہ پھل بھی ہم نے پہلے پہل بمبئی میں دیکھا۔'' (۴۷)

بمبئی شہر کے باسیوں کی نقشہ کشی کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''بمبئی میں پارسی مرد عورتوں کو ہم نے پھرتے ہوئے دیکھا۔اس قوم کے لوگ بہت خوب صورت گورہ رنگ کے ہوتے ہیں اور مال دار بھی۔یہ لوگ آتش پرست زردشت کی امت سے ہیں۔۔۔۔یہاں کی عورتیں اپنی ساڑھی کو مثل مردوں کے دھوتی کے طور پر پیچھے کی طرف ٹانگ لیتی ہیں۔گھٹنے کے اوپر تک اور آدھی پنڈلیاں کھلی رہتی ہیں۔یہاں کے ہندوؤں کی پگڑیاں بھی بڑی بڑی لمبی، سر پر ٹوکرا سا رکھا رہتا ہے۔اس ملک کی زبان گجراتی یا مرہٹی ہے۔'' (۴۸)

تھانیسری کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ ایمان افروز باتیں اور نصیحتیں بھی ایسے انداز میں تحریر کر دیتے ہیں کہ ان پر مبلغ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا گمان نہیں ہوتا۔ پندونصیحت میں اگر مخاطب کوئی دوسرا ہوتو اس کی نوعیت کچھ اور ہوتی ہے کیوں کہ نصیحت ایسا شخص بھی کر سکتا ہے جو خود اس پر عامل نہ ہو۔ اس لیے ضروری نہیں کہ نصیحت ہر ایک پر اثر کرے، اس کے لیے اخلاص شرطِ اول ہے لیکن جب کوئی شخص خود اپنے تجربات کو اس احساس کے ساتھ قلم بند کرتا ہے کہ وہ کوئی مبلغ نہیں ہے، صرف اپنے احوال بتا رہا ہے تو اس کی تحریر قاری کے دل پر ایک لاشعوری اثر ضرور چھوڑ دیتی ہے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود سید احمد شہید تحریک کے فعال رکن ہونے کے، اس خودنوشت کو تحریر کرتے وقت انھیں یہ احساس ہے کہ وہ کوئی پند نامہ نہیں بلکہ آپ بیتی لکھ رہے ہیں۔ اس لیے کہیں قاری کو مخاطب کر کے یہ نہیں کہتے کہ تم بھی ایسا ہی کرو، نہ ہی کسی دوسرے پر فتوا لگاتے ہیں، صرف اپنے تجربات اور احساسات تحریر کرتے چلے جاتے ہیں اور ایسا کئی مقامات پر ہے۔ ایک اقتباس دیکھیے جس میں بغیر مخاطب کیے ہر مسلمان کو شرکِ خفی کا احساس دلایا گیا ہے جس کے مرتکب مسلمان لاشعوری طور پر بھی اپنی روزمرہ زندگی میں اکثر ہو جاتے ہیں:

> ''اپنے بست سالے تجربات میں میں نے یہ اکثر دیکھا کہ جب کبھی کسی افسر یا حاکم کی مدد پر میں نے بھروسہ کیا اور خدا کی طرف توجہ نہ رکھی تو میرے رب نے اسی خیالی معاون کے ہاتھ سے مجھ کو ایذا پہنچوانے کا بندوبست کر دیا مگر جب میں نے اس خیال سے تائب ہو کر اس ذاتِ واحدہ لا شریک کی طرف رجوع کیا تو پھر اس غالب زبردست حکمت والے نے میری مدد کی اور آفت سے نجات بخشی اور جو لوگ میرے دشمن تھے اور جن سے میں ڈرتا تھا، ان کو میری مدد اور پشت پر کھڑا کر دیا۔ خداوند تعالیٰ کو کسی طرح بھی منظور نہیں ہے کہ میں اس کی طرف سے توجہ پھرا کر غیر اللہ کی طرف رجوع کروں۔ وہ رب العزت ہمیشہ مجھ کو مار مار کر اور تنبیہ کر کے شرک سے بچا کر اپنی طرف رجوع کراتا رہا ہے۔''(۴۹)

جعفر تھانیسری نے انڈمان میں بسنے والی مختلف قوموں، ان کی تہذیب، زبانوں اور معاشرت کے بارے میں بھی تفصیلات بیان کی ہیں۔ ایک مقام پر وہاں کی مختلف قوموں کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ یہ لوگ آپس میں تو اپنی اپنی زبان میں بات کرتے ہیں مگر بازاروں اور کچہریوں میں یہاں کی زبان بھی ہندوستانی (اردو) ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اردو زبان فطرتاً بین الاقوامی ہے اور دور دراز جزیروں میں بھی گئی تو بین الاقوامی حیثیت سے گئی۔ اقتباس دیکھیے، فرماتے ہیں کہ پورٹ بلئیر ایسی جگہ ہے کہ جہاں:

> ''چینا، برہما، ملائی، سنگلی، جنگلی، نکوباری، کشمیری، پشتونی، ایرانی، عربی، حبشی، پارسی، پرتگیز، امریکن، انگریز، ڈین، فرنچ وغیرہ اور ہندوستان کے سب ضلعوں اور شہروں کے آدمی مثل بھوٹیا، نیپالی، پنجابی، سندھی، گجراتی، دیس والے، ہندوستانی، اہلِ برج، آسامی، تھلی، بندہل کھنڈی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوڑیا، تلنگی، مرہٹے، کرناٹکی، مدراسی، ملیالم، گونڈ، بھیل، بنگالی، گول، سنتھال وغیرہ سب موجود ہیں۔ جب یہ لوگ آپس میں مل بیٹھتے ہیں تو اپنی اپنی زبان میں بات چیت کرتے ہیں مگر بازار اور کچہریوں کی زبان یہاں بھی ہندوستانی ہے۔ ہر ملک کا آدمی یہاں آکر آپ سے آپ ہندوستانی زبان سیکھ لیتا ہے کیوں کہ اس زبان کے جاننے کے بغیر یہاں آدمی کا گزارا نہیں ہوسکتا۔" (۵۰)

پورٹ بلئیر میں مختلف تہذیبوں کے میل جول سے وجود میں آنے والے معاشرے کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

"یہاں قوم کی پابندی جو ہندوستان کی پرانی بیماری ہے یک قلم ترک ہوگئی ہے۔ مسلمان مرد خواہ کسی ذات کا ہو، ہر مسلمان عورت سے بلا روک ٹوک شادی کر لیتا ہے۔ اسی طرح ہندوؤں میں بھی ہندو ہونا کافی وافی ہے۔ ایک ذات کا ہونا ضروری نہیں۔ برہمنوں کے گھر پاسنیں، جاٹوں کے گھر میں برہمنیاں موجود ہیں۔" (۵۱)

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ذات پات اور رنگ و قوم کے تمام جھگڑے آسودگی اور فارغ البالی کی دین ہیں۔ ورنہ محمود و ایاز کا ایک ہی صف میں کھڑا ہونا فطرتِ انسانی ہے۔ یہاں کے پیشہ وروں کی مہارت کے بارے میں انھوں بتایا ہے:

"یہاں ٹھگ وہ ٹھگ ہیں کہ دل کو ٹھگ لیویں اور چور وہ چور ہیں کہ آنکھوں کا کاجل چرالیں۔ یہاں شعبدہ باز، بازی گر، بہروپیے، بھنڈ یلے، نقال، ہجڑے، نٹ، طوائف، میراثی، گویّے، قوّال اور ہر فن کے نیک و بدمعاش سب موجود ہیں۔ یہاں اچھے اور نیکوں کا بھی یہ حال ہے کہ کوئی ٹاپو مولوی، پنڈت، درویش و بھائی جی وغیرہ سے خالی نہیں۔" (۵۲)

گویا نئے پرانے قیدیوں کا ایک جہان آباد ہے۔ معلوم ہوتا ہے انگریز سرکار کو ہیجڑوں، نٹوں اور میراثیوں سے بھی اس قدر خطرہ تھا کہ انھیں "کالے پانی" کی سزا سنادی ورنہ ظاہر ہے یہ لوگ وہاں کے مقامی تو ہو نہیں سکتے۔ تھانیسری نے پورٹ بلئیر کی قوموں کی معاشرت کا نفسیاتی تجزیہ بھی کیا ہے:

"بعد تجربہ مجھ کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اپنی اپنی وضع اور رسم، بولی اور لباس و خوراک ہر کسی کو پسند ہے۔ جنگلی اپنے جنگل میں رہنے اور ننگ دھڑنگ پھرنے اور کیڑے مکوڑے کھانے کو ہماری قبا اور دوشالوں اور پلاؤ اور قلیہ پر سبقت دیتے ہیں۔ ہمارے کھانوں سے ان کو قے ہونے لگتی ہے۔ ہمارے کپڑے پہننے سے ان کو ایسی تکلیف ہوتی ہے جیسے ہم کو ننگا رہنے سے۔ برہما، چینا ہمارے گھی کے پکوان کو دیکھ کر اپنی ناک بند کر لیتے ہیں۔ ہمارے قلیے اور قورمے اور پلاؤ کے بگھار سے عربوں کا دماغ پراگندہ ہوجاتا ہے۔ انگریز لوگ ہمارے عطر کو نہیں سونگھ سکتے۔ غرض بچپن سے زبان اور ناک جس چیز کا عادی ہوگیا ہے وہی اس کو پسند ہے۔" (۵۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہیں کہیں کوئی واقعہ ایسا بھی مل جاتا ہے کہ پڑھنے والے کو بے اختیار ہنسی آ جاتی ہے جب کہ مصنف کا مقصد ظرافت نہیں ہوتا۔درج ذیل اقتباس دیکھیے:

''جیل خانے کے دستور کے موافق مقراض سے ہماری ڈاڑھی مونچھ اور سر کے بال وغیرہ سب تراش کر منڈی بھیڑ سا بنا دیا،اس وقت میں نے دیکھا کہ مولوی یحیٰ علی صاحب اپنی ڈاڑھی کے کترے ہوئے بالوں کو اٹھا اٹھا کر کہتے تھے کہ افسوس نہ کر تو خدا کی راہ میں پکڑی گئی اور اس کے واسطے کتری گئی۔''(۵۴)

تھانیسری نے نثر کے قدیم اسلوب کی پیروی کرتے ہوئے اپنے بیان میں اثر پیدا کرنے کے لیے اردو فارسی اشعار سے بھی کام لیا ہے۔کہیں کہیں لاشعوری طور پر قافیہ بندی اور انشا پردازی بھی نظر آ جاتی ہے:

''ایک طرف سورج کی کرنوں میں برات کے سونا چاندی اور تاش بادلہ اور ہیرہ مرصع کی چمک، دوسری طرف ہماری بیڑی ہتھکڑی کے لوہے کی دمک،ادھر دوشالوں اور کم خواب و بانات کا رنگ، ادھر ہمارے جو گیانہ لباس اور کمبلوں کی سرخی اور سیاہی کا ڈھنگ،ادھر ہاتھی گھوڑوں کی ہنکار،ادھر ہماری بیڑیوں کی جھنکار۔''(۵۵)

تھانیسری کی اس خودنوشت میں کوئی خاص ترتیب نظر نہیں آتی جو بات جہاں یاد آ جاتی ہے درج کر دیتے ہیں لیکن ان کے قلم کی روانی اور جذبات کے بہاؤ کے باعث اس کا احساس کم ہوتا ہے۔سادگی نے ان کے اسلوب کو اتنا دل کش بنا دیا ہے کہ کہیں اکتاہٹ کا احساس نہیں ہوتا بل کہ کتاب میں آخر تک دلچسپی برقرار رہتی ہے۔انھوں نے اردو کو اس کے فطری اسلوب میں برتا ہے۔جملے بناتے ہوئے کہیں تو خالص عربی کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔کہیں انگریزی کے،کہیں عربی ہندی لفظ کا مرکب اضافی وعطفی بنایا ہے۔کہیں انگریزی ہندی کا،کہیں ہندی فارسی کا۔درج ذیل مثالیں دیکھیے:

''میرے یہاں پہنچنے کے بعد بارش و باراں اور ارزانیِ غلہ بھی بہ نسبت سنینِ ملحقہ کے نہایت کثرت سے ہوئی۔''(ص:۱۴۰)

''ان نعمارِ غیرِ مترقبہ کو دیکھ کر سب قیدی ہم کو دعائیں دیا کرتے۔''(ص:۷۳)

''ہر چند بہت لوگوں نے اس جلسہ مفارقت میں کچھ کچھ اسپیچ (تقریر) کرنا چاہا۔''(ص:۱۳۳)

''بہ طور اختصار لکھ کر پبلک کے سامنے پیش کر دیا۔''(ص:۱۴۲)

''انگریزوں کا یہ ارداہ ہے کہ اگر عند الاپیل ہم لوگ چیف کورٹ پنجاب سے رہا ہو جاویں تو خیر ہے۔۔۔''(ص:۷۶)

''ہم کو اگن بوٹ پر سوار کرایا۔''(ص ۸۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''یہ خبر تار پہنچی تو اسی وقت برلبِ سڑک پولیس نے آ کے ہم کو گھیر لیا۔''(ص:۵۱)

''مجھ کو ایک ناؤ گلی کے پاس،جس میں کاغذ پھاڑ کر بھگوتے تھے،لے گئے۔''(ص:۴۳۔۴۷)

''ملازمانِ سرکاری کو فرائض و اپیل نویسی کی بھی ممانعت نہ تھی،پھر میں نے عرضی و اپیل بھی انگریزی زبان میں لکھنے شروع کر دیے۔''(ص:۱۱۵۔۱۱۴)

کہیں کہیں انگریزوں کے لہجے کی نقل کرتے ہوئے خود اپنا بیان بھی بے ساختہ ان ہی کے رنگ میں رنگ لیا ہے:

''کپتان پارسن صاحب میرے نزدیک آ کر کہنے لگا تم کو پھانسی کا حکم ملا ہے تم کو رونا چاہیے۔تم کس واسطے اتنا بشاش ہے۔میں نے چلتے چلتے اس کو بولا کہ شہادت کی امید پر۔''(ص:۶۶)

کسی کسی جگہ جملے میں فعل متعدی کو لازم میں بدل دیتے ہیں۔مثال کے طور پر درج ذیل جملہ دیکھیے:

''وہ رات کو اس وقت ہمارا دروازہ بند اور ہم کو سوتے دیکھ کر۔۔۔اپنے دل میں سوچا۔''(ص:۴۶)

یہاں''سوچا''متعدی ہے۔''اس نے سوچا''ہونا چاہیے نہ کہ''وہ سوچا''۔انھوں نے بعض الفاظ کی جمع عام چلن سے ہٹ کر بنائی ہے۔جیسے کہ''زائرین''کی بجائے''زوارین''اور''سجود''کی بجائے''سجدات'':

''یہ یورپین زوارین بہت تعجب کرتے۔''(ص:۶۸)''جنابِ باری میں سجدات شکر بجا لائے۔''(ص:۸۴)

جملوں میں کہیں اردو قواعد کے ساتھ ساتھ عربی قواعد کے مطابق اسم جمع لاتے ہیں:

''دوسرے لوگوں کے مقولوں اور قصص کو جہاں تک مجھے یاد تھے بعینہ ہو بہو نقل کیا''(ص:۴۳)

ایک جگہ اسم صفت''شرم ناک''بھی''شرمیلی''کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔شرم ناک اب عام طور پر منفی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔اپنی دوسری بیوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''میں نے اس کو دیکھا نہایت خوش چلن اور شرم ناک عورت ہے۔''(ص:۱۰۲)

تعقید کی خامی قدیم نثر کی طرح جگہ جگہ نظر آتی ہے۔بعض جگہ طبیعت مقفیٰ ہو جاتی ہے۔امالہ بھی دستورِ قدیم کے مطابق کہیں کہیں نہیں کرتے:

''موزنگا لال نے بعد پائے سزا ہاتھ باندھ کر پراتھرو صاحب سے کہا۔''(ص:۱۰۸)

بجائے''سزا پانے کے بعد''

''گرفتاری سے فقط چھے گھنٹہ پہلے تقدیر نے وہ خط مجھ سے لکھوا رکھا تھا۔''(ص:۴۷)''انگلش مین گورہ کو پھانسی کا حکم ملا۔''(ص:۷۲)

بجائے''چھ گھنٹے پہلے''اور''گورے کو''۔بعض انگلش اردو الفاظ کے تذکیر و تانیث بھی موجودہ چلن کے خلاف ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''یہاں کی موسم'' (ص:۹۱) ''اس کا کچھ اپیل نہیں ہوسکتا۔'' (ص:۱۲۸) موسم مذکر جب کہ اپیل مونث مستعمل ہے۔

ایک آدھ جگہ حشو وزوائد سے بھی کام لیا ہے۔ مثلاً: ''قرآن مجید بہ قدرے تین پارے مجھے حفظ یاد تھا۔۔۔۔صدہا حدیثیں بھی مجھے حفظ یاد تھیں۔'' (ص:۱۱۶) حفظ کے ساتھ ''یاد'' حشو ہے۔

ایک جگہ ''ہلاک'' کا فاعل ''ہالک'' بنایا ہے: ''میں اپنے کو ہالک اور گمراہ سمجھ کر۔۔۔'' (ص:۱۱۷)

حروفِ جار کے استعمال میں بھی بے قاعدگی ہے۔ مثلاً: ''شکرم میں سوار کرنے کے پہلے۔'' (ص:۵۳) بجائے ''سے پہلے''

قاعدہ ہے کہ کلماتِ تعظیم جہاں آتے ہیں وہاں فعل واحد کی بجائے جمع ہوجاتا ہے جیسے کہ: ''صاحب گئے''، ''جناب آئے'' وغیرہ لیکن تھانیسری تعظیمی کلمات کے بعد بھی فعل کو اکثر واحد ہی استعمال کیا ہے: ''پارسن صاحب ہم تینوں آدمیوں کو ساتھ لے کر۔۔۔۔روانہ ہوا۔'' (ص:۵۳) ''علی الصبح پارسن صاحب پھر آیا۔'' (ص:۵۴)

محاوروں میں بھی اپنی مرضی سے ردو بدل کرلیا ہے۔ محاورہ ہے ''جیسے کا تیسا'' ہو بہو، بعینہٖ کے معنوں میں، تھانیسری لکھتے ہیں: ''مفرور غلام کو پھر جیسے کا جیسا اس ملک میں لا کر۔۔۔'' (ص:۱۴۲) کسی جگہ اسم کی فاعلی حالت کو نسبتی میں بدل دیا ہے: ''مولوی احمد اللہ صاحب سے ملاقاتی ہوئے۔'' (ص:۱۱۰) بجائے ''ملاقات کی'' ایک جگہ جعلی مصدر ''والدہ ہونا'' کی بجائے ''والدہ کرنا'' (ص:۱۰۳) لکھا ہے۔ یہ کتابت کی غلطی بھی ہوسکتی ہے۔ بہر حال اس تمام جائزے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مولوی جعفر تھانیسری کا اسلوب تحریر فطری ہے۔ ان کے ہاں قواعد کی سکہ بند پابندی نظر نہیں آتی۔ وہ وہ ذہن میں آئے ہوئے جملوں کو بغیر کسی اہتمام کے، روانی سے تحریر کرتے چلے جاتے ہیں۔ ان کی تحریر میں سادگی اور جذبے کی صداقت واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے۔ اسی لیے سوائے ایک آدھ مقام کے تمام تحریر میں ایسی دل کشی ہے جو پڑھنے والے میں اکتاہٹ پیدا نہیں ہونے دیتی۔

مراجع وحواشی

(۱) احمد، وسیم، ''کالا پانی'' (گم نام مجاہدین کی جنگِ آزادی)، پیش لفظ، ص:۲۶ (طبع اول)، نئی دہلی، مولانا آزاد اکیڈمی، ۲۰۱۰ع

(۲) ایضاً، ص:۲۸

(۳) تھانیسری، محمد جعفر، ''تاریخِ عجیب''، ص:۱۳۔۱۴ (اشاعت اول)، لکھنؤ، مطبع نول کشور، ۱۹۸۰ع

(۴) احمد، وسیم، ص:۲۷ (۵) ایضاً، ص:۴۹ (۶) ایضاً، ص:۵۴

(۷) تھانیسری، محمد جعفر، مولوی، ''تواریخِ عجیب المعروف بہ کالا پانی'' مرتب ڈاکٹر محمد ایوب قادری، مقدمہ، ص:۱۴ (اشاعت اول)، کراچی، ادارہ یادگارِ غالب، ۲۰۱۵ع

(۸) ایضاً، حواشی، ص:۳۶ (۹) ایضاً، (۱۰) مقدمہ، ص:۱۸ (۱۱) ایضاً، حواشی، ص:۳۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱۲) احمد،وسیم،ص:۸۱   (۱۳) قادری،حواشی متن،ص:۱۵۰   (۱۴) ایضاً،مقدمہ،ص:۳۵

(۱۵) تھانیسری،جعفر،''تواریخِ عجیب''،باردوم،ٹمپل پریس انبالہ،سن ندارد۔ یہ نسخہ بوسیدہ حالت میں انجمن ترقی اردو،کراچی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔اس کی کتابت بھی قدیم طرز کے مطابق ہے۔''ی'' اور''ے'' اور''ن'' اور''ں:نون غنہ'' کی کوئی تمیز نہیں ہیے۔ہکاری اور معکوسی ہکاری آوازوں،کھ،لھ،ٹھ کو بھی دوچشمی ھ کی بجاے ہاے ہوز سے لکھا ہے۔مثلاً رکھا گیا کو''رکہا گیا''،بیٹھک کو''بیٹہک''،ہاتھ سے لکھوار کھا تھا کو''ہاتہہ سے لکہوار کہا تہا''۔اسی طرح بعض لفظوں کو حرفِ علت''و'' کے اضافے سے لکھا ہے۔جیسے کہ''اُس'' کو''اوس''،''پہنچنے'' کو''پہونچنے'' وغیرہ۔قادری صاحب کی مرتبہ کتب کے متن اور اس کے متن میں تذکیر و تانیث کا فرق بھی نظر آتا ہے۔مثال کے طور پر اس نسخے میں''جنگ'' کو ہر جگہ مذکر لکھا ہے۔''جنگِ عظیم شروع ہوگیا۔''ص:۳

(۱۶) نسخہ قادری،ص:۵۶   (۱۷) نسخہ ٹمپل پریس،ص:۱۱   (۱۸) ایضاً،ص:۳۵

(۱۹) نسخہ قادری،پیش لفظ،ازجعفر تھانیسری،ص:۴۳۔۴۲   (۲۰) ایضاً،مقدمہ از قادری،ص:۳۴

(۲۱) ایضاً،پیش لفظ،از تھانیسری،ص:۴۲   (۲۲) ایضاً،ص:۵۸   (۲۳) ایضاً،ص:۵۹۔۵۸

(۲۴) ایضاً،ص:۵۳۔۵۲   (۲۵) ایضاً،ص:۶۴۔۶۳   (۲۶) ایضاً،ص:۶۵

(۲۷) ایضاً،ص:۱۷   (۲۸) ایضاً،ص:۸۲   (۲۹) ایضاً،ص:۸۷۔۸۶

(۳۰) ایضاً،ص ۸۴۔۸۳   (۳۱) ایضاً،ص:۸۴   (۳۲) ایضاً،ص:۸۸۔۸۷

(۳۳) ایضاً،ص:۸۹   (۳۴) ایضاً،ص:۹۰   (۳۵) ایضاً،ص:۹۱

(۳۶) ایضاً،ص:۹۳۔۹۲   (۳۷) ایضاً،ص:۹۵۔۹۳   (۳۸) ایضاً،ص:۹۵

(۳۹) ایضاً،ص:۱۳۰۔۱۲۹   (۴۰) ایضاً،ص:۱۰۳۔۱۰۲   (۴۱) ایضاً،ص:۱۰۳

(۴۲) ایضاً،ص:۱۰۴۔۱۰۳   (۴۳) احمد،وسیم ص:۸۳   (۴۴) نسخہ قادری،ص:۸۹

(۴۵) ایضاً،ص:۱۲۶۔۱۲۵   (۴۶) ایضاً،ص:۸۳   (۴۷) ایضاً،ص:۸۵

(۴۸) ایضاً،ص:۸۵۔۸۴   (۴۹) ایضاً،ص:۱۲۵۔۱۲۴   (۱۰) ایضاً،ص:۱۳۰۔۱۳۱

(۵۱) ایضاً،ص:۱۳۱   (۵۲) ایضاً   (۵۳) ایضاً،ص:۱۳۲

(۵۴) ایضاً،ص:۷۲۔۷۱   (۵۵) ایضاً،ص:۷۹

تعلیقے

ا۔ مرتب نے معلومات فراہم کی ہیں کہ مولوی محمد جعفر قصبہ تھانیسر،ضلع انبالہ کے رہنے والے تھے۔ان کے والد کا نام جیون خان تھا۔ آرائیں قبیلے میں تقریباً ۱۸۳۸ع میں پیدا ہوئے۔ابتدائی عمر میں دس سال تک کسی بھی قسم کی دینی یا دنیاوی تعلیم حاصل نہیں کی۔والد کے وفات پانے کے بعد جب کہ عمر دس سال سے زائد تھی،تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔تعلیم کے متعلق تفصیلات نہیں ملتیں مگر بہت ذہین تھے،تعلیم نہایت ذوق وشوق سے حاصل کی،قرین قیاس ہے کہ جلد ہی فراغت حاصل کرلی ہوگی۔حکمت سے بھی دل چسپی تھی۔قرآن و حدیث سے بھی خاص شغف تھا۔تین سپارے حفظ کر رکھے تھے اور سینکڑوں حدیثیں یاد تھیں۔بچپن ہی سے تہجد کی نماز کے پابند تھے، جس میں ان کے والدین کی مذہبی زندگی کا اثر معلوم ہوتا ہے۔مروجہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد مولوی محمد جعفر نے ۱۸۵۶ع میں مقامی عدالتوں میں عرائض نویسی شروع کردی اور بہت تھوڑے عرصے میں قانون دانی میں اتنی مہارت حاصل کرلی کہ تمام عرائض نویس اور وکلا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عدالتی قوانین وضوابط کے متعلق ان سے مشورے کرتے تھے۔اس کی وجہ سے ان کی اتنی شہرت ہوگئی کہ قرب و جوار کے بعض زمین داروں نے انھیں اپنا قانونی مشیر بنالیا۔مولوی جعفر کی قانونی مہارت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ انھوں نے انبالے میں اپنے مقدمے کی پیروی خود کی۔معاشی طور پر وہ ایک خوش حال شخص تھے جن کا ذریعہ معاش کاشت کاری تھا۔انھوں نے عرائض نویسی اور قانون دانی کے ذریعے بھی کافی دولت وشہرت حاصل کی اور جائیداد بنائی۔خود مولوی جعفر کے بیان کے مطابق وہ ہزاروں روپے کی جائیداد کے مالک تھے۔شہر کے نمبردار تھے اور گھوڑوں، گاڑیوں پر سوار پھرتے تھے۔ہر کام کے لیے ان کے گھر نوکر چاکر موجود تھے۔مولوی جعفر اکابر صادق پور میں سے کسی کے مرید تھے اور مولوی یحییٰ علی ساکن پٹنہ کے، جو اس وقت اس تحریک کے ناظم جماعت تھے، زیر ہدایت وہابی تحریک میں شامل ہوئے۔۱۹۵۶ء سے قبل ذمے دار کارکن کی حیثیت سے اس تحریک میں شامل ہو چکے تھے اور انھیں اس کے نتائج کا بہ خوبی اندازہ تھا۔اسی لیے اپنی کل جائیداد ۱۸۵۶ء میں بہ وقت نکاح بیوی کے حق مہر میں لکھ دی تھی۔

مولی جعفر نے اپنے بارہ معتمد ساتھیوں کے ہمراہ ۱۸۵۷ء کی جنگ میں بھر پور حصہ لیا۔وہ تحریک جہاد کے بڑے کارکن اور راز دار تھے۔ان کا اصطلاحی نام پیرو خان یا پیرو خلیفہ تھا۔سرحد کو روپیہ اور مجاہدین ان کے ذریعے سے جاتے تھے۔پیامبر اور جاہدین بھی ان ہی کے ہاں ٹھہرتے اور خفیہ خط و کتابت بھی ان ہی کے ذریعے سے ہوتی تھی۔جب حکومت کو یقین ہوگیا۔کہ سرحد پر مجاہدین کے پاس مالی اور افرادی قوت مولوی جعفر کے توسط سے فراہم کی جاتی ہے تو ۱۲ دسمبر/ ۱۸۶۳ء کو ان کے گھر کی تلاشی ہوئی۔مولوی جعفر فرار ہوگئے۔ان کی گرفتاری کے لیے دس ہزار روپے کا اشتہار جاری ہوا۔آخر علی گڑھ سے گرفتار ہو کر انبالے لائے گئے، مقدمہ چلا اور ۲ مئی/ ۱۸۶۴ء کو فیصلے میں ان کی تمام جائیداد منقولہ وغیر منقولہ ضبط اور پھانسی کی سزا ہوئی۔اس کے خلاف عدالت عظمیٰ میں درخواست دائر کی گئی جس کے نتیجے میں ۱۶ دسمبر/ ۱۹۶۴ء میں پھانسی کو حبس دوام بہ عبور دریائے شور میں بدل دیا گیا۔مولوی محمد جعفر نے ۱۱ جنوری/ ۱۸۶۶ء کو سر زمین انڈمان پر قدم رکھا اور ۹ نومبر ۱۸۸۳ء تک وہاں حبس دوام کی سزا کاٹی۔(مقدمہ۔متن کالا پانی) وسیم احمد نے اپنی کتاب ''کالا پانی میں جو معلومات فراہم کی ہیں ان کے مطابق مولانا جعفر تھانیسری کا تعلق ایک غریب گھرانے سے تھا اسی لیے ۱۲ سال ناخواندہ رہے۔اس کے بعد لکھنا پڑھنا شروع کیا اور تقریباً ۱۸۵۶ء میں عرائض نویس کے درجے تک پہنچ گئے۔سید احمد شہید کے معتقد اور کٹر وہابی تھے اس لیے جنگ آزادی میں جہاد کے نظریے سے شامل ہوئے۔جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں اپنے دس ساتھیوں کے ساتھ دہلی گئے اور جنگ میں شریک ہوئے۔تھانیسر میں انگریزوں نے ان کی ضعیف والدہ اور چھوٹے بھائی محمد سعید پر تشدد کیا اور بیوی کو بھی گرفتار کرنا چاہا مگر وہ کسی طرح بچ گئیں۔چھوٹے بھائی تشدد برداشت نہ کر سکے، انھوں نے بتادیا کہ مولانا دہلی میں ہیں۔انگریزوں نے ان کی گرفتاری پر دس ہزار کا انعام مقرر کیا تھا۔ایک دن علی گڑھ سے گرفتار ہوگئے۔روز ماپرسن اور ڈی آئی جی میجر نکفیل نے تشدد اور لالچ کے ذریعے ان سے ساتھیوں کے نام پوچھنے کی کوشش کی اور سرکاری گواہ بنا کر چھوڑ دینے کے وعدے بھی کیے مگر مولانا نے کوئی راز فاش نہیں کیا۔ان کا ایک ملازم عباس جو ان کے ساتھ تھا انگریزوں کے تشدد کی وجہ سے شہید ہوگیا۔تھانیسری پر اپریل/ ۱۸۶۴ء میں مقدمہ چلایا گیا اور ان کے خلاف پچاس مولوی گواہ کے طور پر پیش ہوئے۔ان کے بھائی محمد سعید کو بھی پھانسی سے ڈرا کر ان کے خلاف گواہی دینے پر مجبور کیا۔۲/مئی ۱۸۶۴ء کو انھیں موت کی سزا سنائی گئی لیکن ۱۹/ستمبر ۱۸۶۴ء کو سزائے موت کو حبسِ دوام میں تبدیل کر کے انھیں سر اور داڑھی کے بال مونڈ کر جزیرہ انڈمان بھیج دیا گیا۔۱۸۸۳ء کو وائسرائے ہند کے حکم سے انھیں آزاد کر دیا گیا۔انھوں نے ۱۹۰۵ء کو انتقال فرمایا۔(وسیم احمد، ''کالا پانی''، گم نام مجاہدین کی جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء، طبع اول، ۲۰۱۰ء، نئی دہلی، مولانا آزاد اکیڈمی، ص: ۸۱۔۸۲)

۲۔ ستھانہ مجاہدین کا خاص مرکز تھا اور ساداتِ ستھانہ مجاہدین سے وابستہ تھے۔وہ ان کی ہر قسم کی مدد کرنا اپنا قومی اور مذہبی فریضہ سمجھتے تھے۔انگریزی حکومت، مجاہدین کے مراکز پنجتار اور منگل تھالے کو برباد اور استھانہ کو نیست و نابود کرنا چاہتی تھی۔اسی دوران میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساداتِ ستھانہ اور اتمان زئیوں کے معاملات بگڑ گئے اور جنگ میں سادات کے قائد سید عمر شاہ شہید ہوئے۔سادات نے ''ملکا'' میں سکونت کی جو ستھانہ سے ۳۵ میل کے فاصلے پر تھا۔مجاہدین بھی ملکا کو محفوظ مقام جان کر وہاں جمع ہو گئے۔مولانا عبداللہ امیر المجاہدین تھے۔سید عمر شاہ کے بعد ان کے بھتیجے سید مبارک شاہ ساداتِ ستھانہ کے قائد بنے۔انگریزی حکومت مجاہدین کے اس آخری مرکز کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی تھی۔آخر اس کو موقع مل گیا۔ساداتِ ستھانہ اور ان کے پرانے حریفوں اتمان زئیوں میں پھر نا چاقی ہوئی اور اتمان زئیوں نے انگریزی حکومت کو حالات سے باخبر کر دیا۔حکومت جو موقع کی تلاش میں تھی، مکمل منصوبے کے ساتھ جنگِ امبیلا کا آغاز کر دیا اور ۱۸ اکتوبر ۱۸۶۳ کو ایک بڑی فوج جنرل چیمبرلین کی سرکردگی میں سادات و مجاہدین کے مقابلے کے لیے روانہ ہو گئی۔مجاہدین و سادات نے سارے علاقے میں جہاد کا عام اعلان کر دیا۔۲۰ اکتوبر ۱۸۶۳ء کو پہلا حملہ ہوا۔مجاہدین خوب ڈٹ کر لڑے اور پنجاب کے فوجی مراکز فوج سے خالی ہو گئے۔دس بارہ سخت قسم کے معرکے ہوئے۔انگریزی حکومت سے بازی لے جانا مشکل تھا۔اس نے خونین و بیر و بنیر کو خرید لیا۔نتیجہ ظاہر ہے انگریزی حکومت کے حق میں ہوا۔دسمبر کے تیسرے ہفتے کے آخر میں معاملہ ختم ہو گیا مگر مجاہدین جس عزم اور حوصلے سے لڑے اس نے انگریز حکومت کے حوصلے پست کر دیے اور اسے مجاہدین کا لوہا ماننا پڑا۔اس جنگ میں تقریباً چار سو مجاہدین نے جامِ شہادت نوش کیا۔(حواشی از مرتب)

۳۔ یہاں قادری صاحب کو تسامح ہوا ہے۔اس فصل میں بتیس نہیں، اکتیس زبانوں کے جملے ہیں۔اکتیس زبانیں یہ ہیں: عربی، فارسی، ترکی، سواحلی، پشتو، مکرانی، سندھی، نیپالی، بھیلوانی، نکوباری، مرہٹی، بنگالی، تامل، گونڈی، بلوچی، پنجابی، کشمیری، کول، اسامی، ملائی، برہما، چینا، بندھیل کھنڈی، مارواڑی، اوڑیا، تلنگی، گجراتی، کنڑی، ملیالمی، سنگلی، جنگلی۔

۴۔ قادری صاحب نے اس کتاب کو نایاب بتایا ہے۔اشاعت اول باتصویر مطبع نول کشور کا ایک نسخہ انجمن ترقی اردو، کراچی کے کتب خانے میں بھی موجود ہے اور یہی نسخہ https://rekhta.org/ebooks/tareekh-e-ajeeb-ebooks پر بھی پڑھا جا سکتا ہے۔اس میں مطبع نول کشور کو کتاب کی اشاعت کے لیے دیا گیا ایک اجازت نامہ بھی موجود ہے جس پر یکم جولائی ۱۸۸۰ء کی تاریخ درج ہے۔تاریخ عجیب میں مولوی جعفر کا لہجہ شروع ہی میں معذرت خواہانہ ہے۔دیباچے میں اپنا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یہ عاجز تھانیسر عرف گُرچھیتر کا باشندہ ہے۔سترہ برس کی عمر سے پچیس برس کی عمر تک انگریزی کچہریوں میں وکالت و مختاری کرتا تھا۔۱۸۶۳ء میں جب امبیلا کی لڑائی ہوئی تو یہ خاکسار بھی بجرمِ اعانت مجاہدین گھر بیٹھا بٹھایا سزایاب دائم الحبس بہ عبور دریاے شور کا ہو کر یہاں پورٹ بلیئر کو پہنچا۔(دیباچہ، تاریخ عجیب) گھر بیٹھا بٹھایا کے الفاظ جنگِ امبیلا میں کسی قسم کا حصہ لینے کی تردید ظاہر کرتے ہیں۔اس کے ساتھ وسیم احمد کا یہ بیان بھی پیشِ نظر رہے: ''مولانا، سید احمد شہید کے زبردست معتقد تھے۔لٰہذا کٹر وہابی ہونے کے ناطے جنگِ آزادی کے لیے ساری سرگرمیوں کے پیچھے جہاد ہی کا جذبہ کارفرما تھا۔(وسیم احمد، ص: ۸۲)

۵۔ قادری صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ ''کالا پانی'' کی اشاعت اول جوان کے پیشِ نظر رہی، کس مطبع سے اور کس سن میں شائع ہوئی۔ٹمپل پریس والے نسخے سے لگتا ہے ''سوانح احمدی'' پہلے ''کالا پانی ہی میں شامل تھی، اسے بعد میں الگ سے کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔اس طرح ٹمپل پریس کا نسخہ زیادہ قدیم معلوم ہوتا ہے۔

۶۔ یہ شعر (چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو سوزنِ تدبیر ساری عمر گر سیتی رہے) ٹمپل پریس، انبالہ کے نسخے میں بھی موجود نہیں ہے۔

۷۔ ان جنگلیوں کے بارے میں مولوی جعفر نے ''تاریخ عجیب'' میں لکھا ہے: ''ان جنگلیوں کا صحیح حال اب تک تحقیق نہیں ہوا کہ کس وقت اور کس ملک سے یہاں آ کر آباد ہوئے ہیں اور ہمیشہ سے ایسے ہی وحشی اور بہایم سیرت ہیں یا کبھی مثل ہم لوگوں کے شائستہ بھی تھے یا نہیں۔بعض لوگوں کا گمان تھا کہ باشندگانِ جزائر ہٰذا آدمیوں کو کھاتے ہیں اور ان کے منھ بالوں سے ڈھکے ہوئے ہیں اور ان کی شکلیں بہت ڈراؤنی ہیں۔ان کے پاس کوئی بوٹ نہیں ہے۔اگر ہوتا تو وہ کسی جہاز کو سمندر میں نہ جانے دیتے اور بعض لوگ سمجھتے تھے کہ ان جنگلیوں کی صورت کتوں کی صورت سے بہت مشابہ ہے۔غرض اس قسم کی خبریں سننے سے جہاز والے آدمی ان جزیروں کے نزدیک نہیں پھٹکتے تھے اور ڈرتے ہوئے دور دور چلے جاتے تھے۔الف لیلیٰ کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ سندباد جہازی نے کیسی ڈراؤنی اور مہیب صورت اور آدم خوری اس جزیرے والوں کی لکھی ہے۔بہت مدت تک لوگ ان کو خارج از اولادِ آدم اور مردم خور سمجھ کر ان سے دور دور پھرتے رہے۔(تاریخ عجیب، ص: ۱۳)

© rasailojaraid.com